اللہ اکبر

سلسلۂ مضامین حضرت مولینا ابوالکلام صاحب آزاد

نمبر ۱۶

مکمل

بیان مولانا ابوالکلام آزاد

امام الاحرار حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد مد ظلہ العالی

کا جو معرکہ آرا بیان چیف مجسٹریٹ کلکتہ کی کچہری میں دیا

مرتبہ

منشی مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ

باہتمام لالہ ہرنام داس صاحب گپتا

سورج پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

قیمت ۴ر

انگریزی حکومت اور عراق عرب

جس میں تمام انگریزی معاہدے جو انھوں نے عربوں او شامیوں سے کئے اور اُنکے عدم ایفا کے عربوں کے دھوکہ کی تفصیل - عراق عرب میں اور شام میں مظالم وغیرہ - ۸ ر

ہندو مسلمان اور ہندوستان

۱۹۱۵ء کے ایک دلچسپ مضمون کا ترجمہ جس میں زمانہ موجودہ کی اسکیم نان کواپریشن کی پوری تفصیل ہی اور ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کے طریقے درج ہیں جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی مدبرین کا شروع سے یہی ارادہ تھا - نہایت عمدہ کاغذ پر - ۴ ر

ترک موالات دوسرے ممالک میں

پادری برڈکوفی کی مشہور کتاب کا ترجمہ جس میں دکھلایا ہی کہ کس طرح ہنگری - مصر - کوریا - آئرلینڈ نے پرامن ترک موالات سے آزادی حاصل کی ہی - کتاب نہایت دلچسپ ہے اور ہندوستان کی موجودہ جنگ حق و آزادی کے لئے بہترین رہنما کا کام دے سکتی ہی - مترجمہ سید نجیب اشرف صاحب ندوی ۱۰ ر

خلافت اور انگلستان

ڈاکٹر محمود حسین کی زبردست تصنیف کا اردو ترجمہ جس میں مسئلہ خلافت اور انگلستان کے تعلقات پر بے نظیر بحث ہی - جس کی تعریف مہاتما گاندھی جی - مولانا ابوالکلام صاحب آزاد مولانا محمد علی - مولانا شوکت علی - مسٹر مظہر الحق - ڈاکٹر کچلو - مسٹر پکتھال وغیرہ حضرات کی ہے - اور تمام اخبارات نے ریویو کیا ہے - با تصویر ۱۲ ر

مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بیان حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد مدظلہ العالی

میرا ارادہ نہ تھا کہ کوئی تحریری یا تقریری بیان یہاں پیش کروں۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہمارے لئے نہ کسی طرح کی امید ہے نہ طلب ہے۔ نہ شکایت ہے۔ یہ ایک موڑ ہے جس سے گزرے بغیر ہم منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے تھوڑی دیر کے لئے اپنی مرضی کے خلاف بیان دم لے لینا پڑتا ہے۔ یہ نہ ہوتی تو ہم سیدھے جیل چلے جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ دو سال کے اندر میں نے اس کی ہمیشہ مخالفت کی کہ کوئی نان کواپریٹر کسی طرح کا بھی حصہ عدالت کی کارروائی میں لے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی سنٹرل خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلماء ہند نے اگرچہ اس کی اجازت دیدی ہے کہ پبلک کی واقفیت کے لئے تحریری بیان دیا جا سکتا ہے لیکن ذاتی طور پر میں لوگوں کو یہی مشورہ دیتا رہا کہ خاموشی کو ترجیح ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص اس لئے بیان دیتا ہے کہ مجرم نہیں بیا اگرچہ اس کا مقصد پبلک کی واقفیت ہوتا ہو وہ اشتباہ سے محفوظ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اپنے بچاؤ کی ایک ہلکی سی خواہش اور سماعت حق کی ایک مضمر سی توقع اس کے اندر کام کر رہی ہو۔ حالانکہ نان کواپریشن کی راہ بالکل قطعی اور یک ہے وہ اس بارے میں اشتباہ بھی گوارا نہیں کر سکتی۔
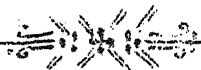
کامل مایوسی اس لئے کامل تبدیلی کا عزم

نان کوآپریشن موجودہ حالت سے کامل مایوسی کا نتیجہ ہے اور اسی مایوسی سے کامل تبدیلی کا عزم پیدا ہوا ہے۔ ایک شخص جب گورنمنٹ سے نان کوآپریشن کرتا ہے تو گویا اعلان کرتا ہے کہ وہ گورنمنٹ کے انصاف اور حق پسندی سے مایوس ہو چکا ہے۔ وہ اس کی غیر منصف طاقت سے جو اس سے منکر ہے اس لئے تبدیلی کا خواہشمند ہے پس جس چیز سے وہ اس درجہ مایوس ہو چکا ہے کہ تبدیلی کے سوا کوئی چارہ نہیں دیکھتا اس سے کیونکر امید کر سکتا ہے کہ ایک منصف اور قابل بقا طاقت کی طرح اس کے ساتھ انصاف کریگی۔

اس اصولی حقیقت سے اگر قطع نظر کر لیا جاوے جب بھی موجودہ حالت میں بریت کی امید رکھنا ایک بے سود زحمت سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ گویا اپنا معلومات سے انکار ہو گا۔ گورنمنٹ کے سوا کوئی ذی ہوش اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ بحالت موجودہ سرکاری عدالتوں سے انصاف کی کوئی امید نہیں ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ ایسے اشخاص سے مرکب ہیں جو انصاف کرنا پسند نہیں کرتے بلکہ اس لئے کہ ایسے نظام (سسٹم) پر مبنی ہے جس میں رہ کر کوئی مجسٹریٹ ان ملزموں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا جن کے ساتھ خود گورنمنٹ انصاف کرنا پسند نہ کرتی ہو۔

میں یہاں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نان کوآپریشن کا خطاب صرف گورنمنٹ۔ گورنمنٹ کے سسٹم اور موجودہ حکومتی اور قومی اصولوں سے ہے افراد و اشخاص سے نہیں ہے۔

عدالت گاہ ناانصافی کا قدیم ذریعہ ہے

ہمارے اس دور کے تمام حالات کی طرح یہ حالت بھی نئی نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی حکمراں طاقتوں نے آزادی اور حق کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے ہیں تو عدالت گاہوں نے سب سے زیادہ آسان اور بےخطا ہتھیار کا کام دیا ہے۔ عدالت کا اختیار ایک طاقت ہے اور وہ انصاف اور ناانصافی دونوں کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے۔ منصف گورنمنٹ کے ہاتھ میں وہ عدل و حق کا سب سے بہتر ذریعہ ہے لیکن جابر اور مستبد حکومتوں کے لئے اس سے بڑھ کر انتقام اور ناانصافی کا کوئی آلہ بھی نہیں ہے۔

تاریخ عالم کی سب سے بڑی ناانصافیاں میدان جنگ کے بعد عدالت کے ایوانوں ہی میں ہوئی ہیں۔

دُنیا کے مقدس بانیانِ مذہب سے لے کر سائنس کے محققین اور مکتشفین تک کوئی پاک اور حق پسند جماعت نہیں ہے جو مجرموں کی طرح عدالت کے سامنے کھڑی نہ کی گئی ہو۔ بلاشبہ زمانہ کے انقلاب سے عہد قدیم کی بہت سی برائیاں مٹ گئیں میں تسلیم کرتا ہوں کہ اب دُنیا میں دوسری صدی عیسوی کی خوفناک رومی عدالتیں اور ازمنہ متوسط (مڈل ایجز) کی پُراسرار "انکویزیشن" وجود نہیں رکھتی لیکن میں یہ ماننے کے لئے طیار نہیں کہ جو جذبات اُن عدالتوں میں کام کرتے تھے اُن سے بھی ہمارے زمانے کو نجات مل گئی ہے۔ وہ عمارتیں ضرور گرا دی گئیں جن کے اندر خوفناک اسرار بند تھے لیکن اُن دلوں کو کون بدل سکتا ہے جو انسانی خودغرضی اور ناانصافی کے خوفناک رازوں کا دفینہ ہے۔

ایک عجیب مگر عظیم الشّان جگہ

عدالت کی نا انصافیوں کی فہرست بڑی ہی طولانی ہے تاریخ آج تک اُس کے ماتم سے فارغ نہ ہو سکی۔ ہم اُس میں حضرت مسیح جیسے پاک انسان کو دیکھتے ہیں جو اپنے عہد کی اجنبی عدالت کے سامنے چوروں کے ساتھ کھڑے کئے گئے۔ ہم کو اُس میں سقراط نظر آتا ہے جس کو صرف اس لئے زہر کا پیالہ پینا پڑا کہ وہ اپنے ملک کا سب سے زیادہ سچا انسان تھا۔ ہم کو اس میں فلورنس کے فدا کار حقیقت گلیلیو کا نام بھی ملتا ہے جو اپنی معلومات و مشاہدات کو اس لئے جھٹلا نہ سکا کہ وقت کی عدالت کے نزدیک اُن کا اظہار جرم تھا۔ میں نے حضرت مسیح کو انسان کہا۔ کیونکہ میرے اعتقاد میں وہ ایک مقدس انسان تھے جو نیکی اور محبت کا آسمانی پیام لے کر آئے تھے لیکن کروڑوں انسانوں کے اعتقاد میں تو وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں تاہم یہ مجرموں کا کٹہرا کیسی عجیب مگر عظیم الشّان جگہ ہے جہاں سب سے اچھے اور سب سے بُرے دونوں طرح کے آدمی کھڑے کئے جاتے ہیں۔ اتنی بڑی ہستی کے لئے بھی یہ ناموزوں جگہ نہیں۔

حمد و شکر

اس جگہ کی عظیم الشّان و عمیق تاریخ پر جب میں غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ اسی جگہ کھڑے ہونے کی عزت آج میرے حصہ میں آئی ہے تو بے اختیار میری روح خدا کی حمد و شکر میں ڈوب جاتی ہے۔ [illegible] وہی جان سکتا ہے کہ میرے دل کے سرور و نشاط کا کیا عالم ہوتا ہے میں مجرموں کے اس کٹہرے میں محسوس کرتا ہوں کہ بادشاہوں کے لئے قابلِ رشک ہوں۔ اُن کو اپنی خوابگاہِ عیش میں وہ خوشی اور راحت کہاں نصیب جس سے میرے دل کا ایک ایک

ریشہ معمور ہو رہا ہے۔ کاش غافل اور نفس پرست انسان اس کی ایک جھلک ہی دیکھ پائے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سچ کہتا ہوں کہ لوگ اس جگہ کے لئے دعائیں مانگتے!

میں بیان کیوں دیتا ہوں

بہر حال میرا ارادہ نہ تھا کہ بیان دوں لیکن ۲۰ جنوری کو جب میرا مقدمہ پیش ہوا تو میں نے دیکھا کہ گورنمنٹ مجھے سزا دلانے کے معاملہ میں نہایت عاجز اور پریشان ہو رہی ہے حالانکہ میں ایسا شخص ہوں جس کو اس کی خواہش اور خیال کے مطابق سب سے پہلے اور سب سے زیادہ سزا ملنی چاہئے۔ پہلے میرے خلاف دفعہ ۱۷-۲ ترمیم ضابطہ فوجداری کا دعویٰ کیا گیا تھا لیکن جب اس کا ویسا ثبوت بھی بہم نہ ہو سکا جیسا آجکل اثبات جرم کے لئے کافی تصور کیا جاتا ہے تو مجبوراً واپس لے لی گئی۔ اب ۱۲۴-الف کا مقدمہ چلایا گیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ بھی مقصد برآری کے لئے کافی نہیں کیونکہ جو تقریریں ثبوت میں پیش کی گئی ہیں وہ ان بہت سی باتوں سے بالکل خالی ہیں جو میں اپنی بیشمار تقریروں اور تحریروں میں ہمیشہ کہتا رہا ہوں۔ اور جو شاید گورنمنٹ کے لئے زیادہ کارآمد ہوتیں۔

یہ دیکھ کر میری رائے بدل گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ جو سبب بیان نہ دینے کا تھا وہی متقاضی ہے کہ خاموش نہ رہوں اور جس بات کو گورنمنٹ باوجود جاننے کے دکھلا نہیں سکتی اسے خود کامل اقرار کے ساتھ اپنے قلم سے لکھ دوں میں جانتا ہوں کہ قانون عدالت کی رو سے یہ میرے فرائض میں داخل نہیں ہے میری جانب سے پراسیکیوشن کے لئے بھی بہت بڑی مدد ہے کہ میں نے ڈیفنس نہیں کیا لیکن حقیقت [illegible]

اقرار جرم

(۱) ہندوستان کی موجودہ بیوروکریسی ایک ویسا ہی حاکمانہ اقتدار ہے جیسا اقتدار ایک قوم کی کمزوری کی وجہ سے ہمیشہ طاقتور انسان حاصل کرتے رہے ہیں۔ قدرتی طور پر یہ اقتدار قومی بیداری کے نشوونما اور آزادی و انصاف کی جدوجہد کو مبغوض رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ اس کی غیر منصفانہ طاقت کا زوال ہے اور کوئی وجود اپنا زوال پسند نہیں کرسکتا۔ اگرچہ از روئے انصاف کتنا ہی ضروری ہے یہ گویا تنازع للبقاء (MRNGGLE FOR EAISTCNCE.) کی ایک جنگ ہوتی ہے جس میں دونوں فریق اپنے اپنے فوائد کے لئے جدوجہد کرتے ہیں قومی بیداری چاہتی ہے کہ اپنا حق حاصل کرے۔ قابض طاقت چاہتی ہے کہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے اور جاسکتا ہے کہ پہلے فریق کی طرح آخرالذکر بھی قابل ملامت نہیں کیونکہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ پیر ہلاتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کا وجود انصاف کے خلاف واقع ہوا ہو۔ عام طبیعت کی مقتضیات سے تو انکار نہیں کرسکتے۔ یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں نیکی کی طرح برائی بھی زندہ رہنا چاہتی ہے۔ وہ خود کتنی ہی قابل ملامت ہو۔ لیکن زندگی کی خواہش قابل ملامت نہیں ہے۔

ہندوستان میں بھی یہ مقابلہ شروع ہوگیا ہے۔ اس لئے یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اگر بیوروکریسی کے نزدیک آزادی اور حق طلبی کی جدوجہد جرم ہو اور وہ ان لوگوں کو سخت سزاؤں کا مستحق خیال کرے جو انصاف کے نام سے اس کی غیر منصفانہ ہستی کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں صرف اس کا مجرم ہوں بلکہ ان لوگوں میں ہوں جنہوں نے اس جرم کی

اپنی قوم کے دلوں میں تخم ریزی کی ہے اور اس کی آبیاری کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کر دی ہے - میں مسلمانان ہند میں پہلا شخص ہوں جس نے ۱۹۱۲ء میں اپنی قوم کو اس جرم کی عام دعوت دی - اور تین سال کے اندر اس غلامانہ روش سے ان کا رُخ پھیر دیا جس میں گورنمنٹ کے پُر پیچ فریب نے مبتلا کر رکھا تھا - پس اگر گورنمنٹ مجھے اپنے خیال میں مجرم سمجھتی ہے اور اس لئے سزا دلانا چاہتی ہے تو میں پوری صاف دلی کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کوئی خلاف توقع بات نہیں ہے جس کے لئے مجھے شکایت ہو -

میں جانتا ہوں کہ گورنمنٹ فرشتہ کی طرح معصوم ہونے کا دعویٰ رکھتی ہے کیونکہ اس نے خطاؤں کے اقرار سے ہمیشہ انکار کیا - لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس نے مسیح ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا - پھر میں کیوں امید کروں کہ وہ اپنے مخالفوں کو پیار کرے گی ؟ وہ تو وہی کرے گی جو کر رہی ہے اور جو ہمیشہ استبداد نے آزادی کے مقابلہ میں کیا ہے - پس یہ ایک قدرتی معاملہ ہے جس میں دونوں فریق کے لئے شکوہ وشکایت کا کوئی موقعہ نہیں - دونوں کو اپنا اپنا کام کئے جانا چاہیئے -

گورنمنٹ بنگال اور میری گرفتاری

(۲) میں یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا معاملہ جو کچھ تھا گورنمنٹ آف انڈیا سے تھا - وہ کسی خاص معین الزام کی بناء پر نہیں بلکہ موجودہ تحریک کی عام مشغولیت کی وجہ سے مجھے گرفتار کر سکتی تھی - اور جیسا کہ قاعدہ ہے گرفتاری کے لئے کوئی حیلہ پیدا کر لیتی - چنانچہ ملک میں عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ

علی برادران سے مجھے زیادہ مہلت دی گئی۔ مگر اب زیادہ عرصہ تک تغافل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ گورنمنٹ بنگال کے سامنے اس وقت میرا معاملہ نہ تھا نہ وہ دفعہ ۱۲۴۔ الف کا مقدمہ چلانا چاہتی تھی۔ اس دفعہ کے ثبوت میں جو تقریریں پیش کی گئی ہیں وہ نصف سال پہلے کلکتہ میں کی گئی ہیں۔ اور گورنمنٹ نے مقدمہ کی اجازت ۲۲ دسمبر کو دی ہے۔ یعنی میری گرفتاری سے بارہ دن بعد۔ اگر فی الواقع ان تقریروں میں سڈیشن تھا تو کیوں مجھے ۶ ماہ تک گرفتار نہیں کیا گیا؟ اور اب گرفتار بھی کیا تو گرفتاری کے بارہ دن بعد؟ ہر شخص ان دو واقعات سے صاف صاف سمجھ سکتا ہے کہ صورت حال کیا ہے؟ خصوصاً جب یہ تیسرا واقعہ بھی بڑھا دیا جائے کہ ابتدا میں جو دفعہ ظاہر کی گئی وہ ۱۲۴ نہ تھی ۱۷ ترمیم ضابطہ فوجداری تھی جس کی نسبت اس کے بعد مجھ سے کہا جاتا ہے کہ وہ واپس لے لی گئی ہے۔

گرفتاری کا اصلی باعث

حقیقت یہ ہے کہ میری گرفتاری میں اس دفعہ کو کوئی دخل نہیں۔ یہ قطعی ہے کہ مجھے اُن ہی حالات کے سلسلہ میں گرفتار کیا گیا ہے جو ۱۷ نومبر کے بعد پیدا ہو گئے تھے۔ اگر پہلی دسمبر کو کلکتہ نہ آتا یا دس دسمبر سے پہلے باہر چلا جاتا جس کی جلسہ جمعیۃ العلماء بدایوں کی وجہ سے توقع تھی تو گورنمنٹ بنگال مجھ سے کوئی تعارض نہ کرتی۔

۱۷ نومبر کے بعد دنیا کی تمام چیزوں میں جو چاہی جا سکتی ہیں وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ ۲۴ نومبر کو جب پرنس کلکتہ پہنچیں تو ہڑتال نہ ہو اور جو جابرانہ بیوقوفی ترمیم ضابطہ فوجداری ۱۹۰۸ء کے نفاذ میں ہو گئی ہے وہ ایک دن کے لئے بھی قبول کر لی جائے۔ وہ خیال کرتی تھی کہ میری اور مسٹر سی آر داس کی موجودگی اس میں حارج

ہے۔ اس لئے کچھ عرصے کے تذبذب اور غور و فکر کے بعد ہم دونوں گرفتار کر لئے گئے۔ گرفتاری
بلا وارنٹ کے ہوئی تھی۔ لیکن جب دوسرے دن ضابطہ کی نمائش پوری کرنے کے لئے
مجسٹریٹ جیل میں بھیجا گیا۔ تو مسٹر داس کی طرح میری گرفتاری کے لئے بھی دفعہ ۱۷-
ترمیم شدہ ضابطہ فوجداری کے ماتحت وارنٹ پیش کیا گیا۔

میں گزشتہ دو سال کے اندر بہت کم کلکتہ میں رہ سکا ہوں۔ میرا تمام وقت زیادہ تر
تحریک خلافت کی مرکزی مشغولیت میں صرف ہوا یا ملک کے پیہم دوروں میں۔ اکثر ایسا ہوا
کہ مہینے دو مہینے کے بعد چند دنوں کے لئے کلکتہ آیا اور بنگال پراونشل خلافت کمیٹی کے
کاموں کی دیکھ بھال کر کے پھر باہر چلا گیا۔ وسط نومبر سے بھی میں سفر میں تھا۔ ۱۸ کو
کلکتہ سے روانہ ہوا تاکہ جمعیۃ العلماء ہند کے سالانہ اجلاس لاہور میں شریک ہوں
لاہور میں تھا کہ بمبئی کے تار سے بمبئی کی شورش کا حال معلوم ہوا۔ اور میں بمبئی
چلا گیا۔ جنوری تک میرا ارادہ واپسی کا نہ تھا۔ کیونکہ ۱۰ دسمبر کو جمعیۃ العلماء کا
اسپیشل اجلاس بدایوں میں تھا۔ اس میں شرکت ضروری تھی۔ اس کے علاوہ
مجھے تمام وقت انگورہ فنڈ کی فراہمی میں صرف کرنا تھا۔ لیکن یکایک گورنمنٹ
بنگال کے تازہ جبر و تشدد اور ۱۷ کے کمپلیٹ ہڑتال کی اطلاع بمبئی میں ملی اور میرے
لئے ناممکن ہو گیا کہ ایسی حالت میں کلکتہ سے باہر رہوں۔ میں نے مہاتما گاندھی سے مشورہ
کیا۔ اُن کی بھی یہی رائے ہوئی کہ مجھے تمام پروگرام ملتوی کر کے کلکتہ چلا جانا چاہئے
زیادہ خیال ہمیں اس بات کا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو گورنمنٹ کا جبر و تشدد لوگوں کو بے قابو
کر دے اور کوئی بات صبر و ضبط کے خلاف کر بیٹھیں۔ علی الخصوص جبکہ سول گارڈ
کے قیام کی خبریں بھی آ چکی تھیں اور اس بارے میں ہمیں کوئی غلطی نہیں ہو سکتی
تھی کہ یہ نئی اسلحہ بندی کن شریفانہ اور پُر امن اغراض کے لئے وجود میں آئی ہے۔
میں پہلی دسمبر کو کلکتہ پہنچا۔ میں نے ظلم اور بیجا اشتداد دونوں کے انتہائی مناظر

اپنے سامنے پائے ۔

میں نے دیکھا کہ ۱۷ نومبر کی یادگار ہڑتال سے بے بس ہو کر گورنمنٹ اس آدمی کی طرح ہو گئی ہے جو جوش اور غصہ میں آپے سے باہر ہو جائے اور غیظ و غضب کی کوئی حرکت بھی اس سے بعید نہ ہو۔ چنانچہ کریمنل لا امنڈمنٹ ایکٹ کے ماتحت قومی رضاکاروں کی تمام جماعتیں "مجمع خلاف قانون" (ان لا فل) قرار دی گئی ہیں۔ بلکہ جتنی جماعتیں تھیں یک قلم رد کر دی گئی ہیں۔ قانون صرف پولیس کی مرضی کا نام ہے وہ "ان لا فل جماعت" کی تفتیش اور شبہ میں جو چاہے سو کر سکتی ہے۔ حتی کہ انسانوں کی جان و آبرو بھی محفوظ نہیں۔ گورنمنٹ نے پہلے ۱۸ نومبر کے کمیونیک میں صرف سابق و موجود رضاکار جماعتوں کا ذکر کیا تھا لیکن ۲۴ نومبر کو دوسرا کمیونیک جاری کر کے تمام آئندہ جماعتیں بھی خلاف قانون قرار دیدیں اور پولیس نے بلا امتیاز ہر شخص کو جو اس کے سامنے آگیا گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ کوئی بات بھی جس سے ۱۷ نومبر کی ہڑتال رک سکے ممکن ہے۔ پبلک اور پولیس سے بھی زیادہ [illegible] قوم [illegible] سول گارڈ کے لئے جائز نہیں۔ سول گارڈ گویا قومی رضاکاروں کا جواب ہے۔ وہ بالکل متوقع ہوتے ہیں کہ جبر و تشدد سے ہڑتال کرا دیتے تھے [illegible] سمجھ رہے تھے کہ اب بھی امن و صلح کے ذریعہ ہڑتال روک دیں گے۔ اس کے مقابلہ میں قوم نے بھی برداشت اور استقامت دونوں کا گویا آخری عہد کر لیا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو وہ اپنی راہ سے ہٹیں گے نہ تشدد کا مقابلہ کریں گے ۔

ان حالات میں ہمارے لئے فرض کی راہ بالکل صاف اور یکسو تھی۔ ہم نے اپنے سامنے دو حقیقتیں بے نقاب دیکھیں۔ ایک یہ کہ گورنمنٹ کی تمام طاقت کلکتہ میں سمٹ آئی ہے اس لئے فتح و شکست کا پہلا فیصلہ یہیں ہوگا۔ دوسری یہ کہ ہم کل تک پوری آزادی کے لئے جد و جہد کر رہے تھے۔ لیکن موجودہ حالت نے بتا دیا کہ ہماری آزادی کی

مساویانہ حیثیت تک محفوظ نہیں ہیں۔ آزادیٔ تقریر اور آزادیٔ اجتماع انسان کے پیدائشی حقوق
ہیں ان کی پامالی مشہور فلاسفر مل کی زبان میں انسانیت کے قتل عام سے کچھ ہی کم
کہی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ پامالی بلا کسی جھجک کے بغیر ہو رہی ہے۔ پس میں نے اپنا تمام
پروگرام منسوخ کر دیا اور فیصلہ کر لیا کہ اس وقت تک کلکتہ ہی میں رہوں گا جب تک
دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات ظہور میں نہ آجائے۔ یا گورنمنٹ اپنا کمیونک اور آرڈر
واپس لے لے یا مجھے گرفتار کر لے۔

گورنمنٹ نے ۱۰ دسمبر کو مجھے گرفتار کر لیا میں پورے اطمینان اور مسرت کے ساتھ
جیل کی طرف روانہ ہوا کیونکہ میں اپنے پیچھے ایک فتح مندانہ نتیجہ چھوڑ رہا تھا۔ میرا دل خوشی
سے معمور ہے کہ کلکتہ اور بنگال نے میری توقعات پوری کر دیں۔ وہ پہلے جس قدر پیچھے
تھا۔ اتنا ہی آج سب سے آگے ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کامیابی کے لئے گورنمنٹ
کی امداد کا بھی پوری طرح اعتراف کرنا چاہئے۔ اگر وہ ۱۷۔ نومبر کے بعد یہ طرز عمل
اختیار نہ کرتی تو فی الواقع ہمارے آگے بہت سی مشکلات تھیں۔ چند در چند مشکلات
حقیقی ہیں ہم ۲۲ نومبر کو بمبئی میں انہی مشکلات پر غور و خوض کر رہے تھے۔

دو حقیقتیں

حقیقت یہ ہے کہ ان گزشتہ ایام نے بیک وقت دونوں حقیقتیں صفحات تاریخ کے
لئے مہیا کر دیں۔ اگر ایک طرف گورنمنٹ کے چہرے سے ادعا و نمائش کے تمام
نقاب دور ہو گئے، تو دوسری طرف ملکی طاقت بھی ایک سخت آزمائش میں پڑ کر
پوری طرح نمایاں ہو گئی۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ اگر گورنمنٹ ہر طرح کے جبر و تشدد میں
بالکل بے حجاب اور بے لگام ہے، تو ملک میں بھی صبر و برداشت [illegible]
نشو و نما پا رہی ہے جیسا کہ ہمیشہ انکار کیا گیا ہے، آج بھی اس کا موقعہ حاصل ہے

کو انجاز کر دیا ہے، لیکن کل تاریخ کے لیے یہ ایک نہایت ہی عبرت انگیز داستان ہوگی
یہ مستقبل کی رہنمائی کرے گی کہ کیونکر اخلاقی مدافعت مادی طاقت کے جابرانہ گھمنڈ کو
شکست دے سکتی ہے؟ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صرف برداشت اور قربانی کے
ذریعہ خونریز اسلحہ کا مقابلہ کیا جائے؟ البتہ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں
فریقوں میں سے کس فریق کے اندر اس بڑے انسان کی تعلیم
تلاش کی جائے جو برائی کے مقابلہ میں صبر و عفو کی تعلیم لے کر
آیا تھا؟ گورنمنٹ میں یا ہاں میں؟ میں خیال کرتا ہوں کہ یورپ
کے یسی کے حکام اس کے نام سے ناواقف نہ ہوں گے اُس کا
نام "مسیح" تھا۔

گورنمنٹ کی [illegible] اور شکست

(۳) فلسفہ تاریخ ہمیں بتلاتا ہے کہ نادانی اور ناعاقبت اندیشی ہمیشہ زوال
پذیر طاقتوں کی رفیق ہوتی ہے۔ گورنمنٹ نے خیال کیا کہ وہ جبر و تشدد سے تحریک
خلافت و سوراج کو پامال کر دے گی، اور ۲۴ کی ہڑتال رک جائے گی۔ اس نے
والنٹیئرز کو خلاف قانون قرار دیا اور بلا امتیاز تمام کارکن گرفتار کر لیے گئے وہ سمجھتی تھی
کہ والنٹیئرز کی جماعت اور کارکنوں کی گرفتاری کے بعد خلافت اور کانگریس کا نظام
معطل ہو جائے گا، اور اس طرح خود بخود ہڑتال رک جائے گی لیکن بہت جلد گورنمنٹ
کو معلوم ہو گیا کہ جبر و تشدد جب قومی بیداری کے مقابلہ میں نمایاں
ہو تو وہ کوئی مہلک چیز نہیں ہوتی۔ نہ تو ہڑتال رک سکی نہ
خلافت اور کانگریس کمیٹیاں معطل ہوئیں، اور نہ والنٹیئرز کا کام

ایک دن کے لئے بھی بند ہوا، بلکہ ہماری غیر موجودگی ہیں یہ ساری چیزیں زیادہ طاقتور اور غیر مسخر ہو گئیں۔ میں نے ۸ دسمبر کو جو پیغام ملک کے نام لکھا تھا، اس میں گورنمنٹ بنگال کے لئے بھی یہ پیغام تھا، میری اور مسٹر سی آر داس کی گرفتاری کے بعد کام زیادہ طاقت اور مستعدی کے ساتھ جاری رہے گا، اور ۲۴ کو ہڑتال اس سے زیادہ مکمل ہوگی جس قدر ہماری موجودگی میں ہو سکتی تھی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ گورنمنٹ خود اپنے پسند کیے ہوئے میدان میں ہار گئی اب وہ اپنی شرمندگی چھپانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے، اور جن لوگوں کو گرفتار کر چکی ہے، انہیں کسی نہ کسی طرح سزا دلانا چاہتی ہے لیکن یہ بالکل بے سود ہے طاقتور آدمی کو شکست کے بعد زیادہ غصہ آتا ہے، لیکن کوئی شکست اس لئے فتح نہیں بن جا سکتی کہ ہم بہت زیادہ جھنجلا سکتے ہیں!

دفعہ ۱۲۴ الف

غرضکہ میری گرفتاری صریح طور پر انہی واقعات کا نتیجہ ہے، اور اسی لئے [illegible] میرے خلاف دفعہ ۱۷ ترمیم ضابطہ فوجداری ہی کا دعویٰ قائم ہوا، لیکن جب اس بارے میں کوئی سہارا نہ ملا تو میرے پریس اور مکان کی تلاشی لی گئی۔ تاکہ میری کوئی تحریر حاصل کر [illegible] قرار دی جائے۔ جب وہاں سے بھی کوئی مواد ہاتھ نہ آیا، تو مجبوراً سی۔ آئی۔ ڈی کے محفوظ ذخیرہ کی طرف توجہ کی گئی۔ یہ ذخیرہ ہمیشہ اس شریفانہ کام کے لئے مستعد رہتا ہے، اور ضرورت کو کبھی مایوس نہیں کرتا

یہاں اس طرح جو مزاحمت دفعہ ۱۴۴ ... عدالت کا دعویٰ ظاہر ہو گیا۔

اجتماعِ ضدین

(۴) یہ پریشانی گورنمنٹ کو خود اسی کی منافقانہ روش کی وجہ سے پیش آرہی ہے۔ ایک طرف تو وہ چاہتی ہے کہ شخصی حکومتوں کی طرح بے دریغ جبر و تشدد کرے۔ دوسری طرف چاہتی ہے کہ شائستہ قانون و عدالت کی آنکھیں بھی قائم رہے۔ یہ دونوں باتیں متضاد ہیں، جمع نہیں ہو سکتیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس کی پریشانی و درماندگی روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ جو لوگ اس کے خیال میں سب سے زیادہ مستحق تعزیر ہیں، انہی کو سزا دلانا اس کے لیے مشکل ہو گیا ہے۔ ابھی چند ہی مہینے گزرے ہیں کہ ہم کراچی میں گورنمنٹ کی سراسیمگی و درماندگی کا تمسخر انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جو سرکاری استغاثہ [illegible] اور اہتمام کے ساتھ شروع کیا گیا تھا اس سے خود گورنمنٹ کی اپنی پولیس اور انتخاب کردہ جیوری بھی اتفاق نہ کر سکی!

لطف یہ ہے کہ یہ مشکلات گورنمنٹ کو ایسی حالت میں پیش آرہی ہیں جبکہ وہ جانتی ہے کہ نان کوآپریٹرز کی جانب سے ڈیفنس نہیں کیا جائیگا، اور سخت سے سخت غلط بیانی اور قانون شکنی کی حالت میں بھی پردہ دری اور شکست کا کوئی کھٹکا نہیں ہے۔

نئی قانونی تشریحات

گورنمنٹ نے اس اطمینان سے پوری طرح کام لینے میں کوئی کوتاہی بھی نہیں کی ہے۔ نان کوآپریٹرز کے مقدمات آج کل جس طرح چھپائے جا رہے ہیں، اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ "لا" اور "آرڈر" کے معنی بیوروکریٹک اصطلاح میں کیا ہیں؟

"لا" اور "آرڈر" کی طرح اب دعویٰ، ثبوت، شہادت، تشخیص، ذاتی ذمہ
قانونی، وغیرہ تمام عدالتی مصطلحات کے معانی میں بھی انقلاب ہو گیا ہے۔ گورنمنٹ
ایجنٹوں کو جیسے ہر طرح کی بے قاعدگی اور قانون شکنی کا حق حاصل ہے
حتیٰ کہ اس بات کی بھی تحقیق ضروری نہیں کہ جس انسان کے ملزم ہونے کا دعویٰ
کیا گیا ہے، کٹہرے کا ملزم فی الحقیقت وہی آدمی ہے بھی یا نہیں؟ ابھی ابھی گزشتہ
ہفتہ بنگال کی عدالت سے ایک شخص "عبدالرحمن ہاشم" کو اس لیے
چند روز قانونی اور منطقی ثبوت بہم پہنچا کر سزا دی گئی ہے کہ
اعظم ہاشم نامی ایک خلافت والنٹیر تھا، اس نے جرم کیا تھا؟
اور دونوں کے نام میں لفظ "ہاشم" مشترک ہے!

خود میرے مقدمہ میں جو صریح بے ضابطگیاں کی گئی ہیں ان کا ذکر لاحاصل
سمجھ کر نہیں کرنا چاہتا، ورنہ وہی اس حقیقت کے انکشاف کے لیے کافی ہیں۔
مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ کا ذکر کروں گا جو بے قاعدگی اور بے ضابطگی
دونوں کا مجموعہ ہے۔ مجھے دفعہ ۱۷ ترمیم ضابطہ فوجداری سے بری کر دیا گیا
اور ۱۲۴۔ الف کے ماتحت وارنٹ حاصل کیا گیا۔ قاعدہ کی رو سے رہائی اور
از سر نو گرفتاری، دونوں باتیں وقوع میں آنی چاہئیں تھیں۔ لیکن واقعہ
یہ ہے کہ ۱۲۴ کا کوئی وارنٹ مجھ پر تعمیل نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ ۴ جنوری تک مجھے
اس کا علم بھی نہیں ہوا۔ لیکن میرے سامنے مسٹر گولڈی ڈپٹی کمشنر پولیس نے
حلفیہ شہادت دی ہے کہ اس نے پریسیڈنسی جیل میں مجھ پر وارنٹ سرو کیا تھا!

یہ سچ ہے کہ نان کوآپریٹر کسی طرح کا ڈیفنس نہیں کرتے، لیکن میں سمجھتا
ہوں کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ آدمی اپنے تمام کپڑے اتار ڈالے۔ اس لیے

کہ شریف آدمی آنکھیں بند کر لیں گے۔ شریف آدمیوں نے تو سچ مچ آنکھیں بند کر لی ہیں، لیکن دنیا کی آنکھیں بند نہیں ہیں!

قانون کا ڈراما!

فی الحقیقت "لا" اور "آرڈر" کا ایک ڈراما کھیلا جا رہا ہے جسے ہم کامیڈی اور ٹریجڈی، دونوں کہہ سکتے ہیں۔

وہ تماشہ کی طرح مضحک بھی ہے اور مقتل کی طرح دردانگیز بھی، لیکن میں ٹریجڈی کہنا زیادہ پسند کروں گا۔ حسن اتفاق سے اس کا چیف ایکٹر انگلستان کا سابق چیف جسٹس ہے!

میری تقریریں

(۵) پراسیکیوشن کی جانب سے میری دو تقریریں ثبوت میں پیش کی گئی ہیں جو میں نے پہلی اور پندرہویں جولائی کو مرزا پور پارک کے جلسوں میں کی تھیں۔ اس زمانہ میں گورنمنٹ بنگال نے گرفتاریوں کی طرف پہلا قدم اٹھایا تھا اور چار مبلغین خلافت پر مقدمہ چلا کر سزائیں دلائی تھیں۔ میں اس وقت سفر سے بیمار واپس آیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگوں میں بےحد جوش پھیلا ہوا ہے، اور ہر طرح کے مظاہرے کے لئے لوگ بیقرار ہیں۔ چونکہ میرے خیال میں گرفتاریوں پر مظاہرہ کرنا نان کوآپریشن کے اصول کے خلاف تھا، اس لئے میں نے ہڑتال اور جلوس یک قلم روک دیے۔ اس پر عوام کو شکایت ہوئی، تو میں نے یہ جلسے

منعقد کئے اور لوگوں کو صبر و تحمل کی نصیحت کرتے ہوئے سمجھایا کہ نان وائلنس نان کوآپریشن کے اصول میں یہ بات داخل ہے کہ گرفتاریوں پر صبر و سکون کے خلاف کوئی بات نہ کی جائے۔ اگر فی الواقع ان گرفتاریوں کا تمہارے دل میں درد ہے تو چاہئے کہ اصلی کام کرو، اور بیرونی کپڑا ترک کرکے دیسی گاڑھا پہن لو۔

استغاثہ نے جو نقل پیش کی ہے، وہ نہایت ناقص، غلط اور مسخ شدہ صورت ہے، اور محض بے جوڑ اور بعض مقامات پر بے معنی جملوں کا مجموعہ ہے، جیسا کہ اس کے پڑھنے سے ہر شخص سمجھ لے سکتا ہے۔ تاہم میں اس کے غلط اور بے ربط جملوں کو چھوڑ کر (کیونکہ اس کے اعتراف سے میرا ادبی ذوق ابا کرتا ہے) باقی وہ تمام حصہ تسلیم کر لیتا ہوں جس میں گورنمنٹ کی نسبت خیالات کا اظہار ہے، یا پبلک سے گورنمنٹ کے خلاف جد و جہد کی اپیل کی گئی ہے۔

استغاثہ کی جانب سے صرف تقریریں پیش کر دی گئی ہیں۔ یہ نہیں بتلایا ہے کہ ان کے کن جملوں کو وہ ثبوت میں پیش کرنا چاہتا ہے؟ یا اس کے خیال میں "مائی ڈیر برادرن" سے لیکر آخر تک سب ۱۲۴-الف ہے؟ میں نے بھی دریافت نہیں کیا کیونکہ دونوں صورتیں میرے لئے یکساں ہیں۔ تاہم ان نقول کو دیکھتا ہوں تو استغاثہ کے خیال کے مطابق زیادہ سے زیادہ قابلِ ذکر جملے حسبِ ذیل ہیں:-

"ایسی گورنمنٹ ظالم ہے۔ جو گورنمنٹ ناانصافی کے ساتھ قائم ہو، ایسی گورنمنٹ کو یا تو انصاف کے آگے جھکنا چاہئے یا دنیا سے مٹا دینا چاہئے"

"اگر فی الحقیقت تمہارے دلوں میں گرفتار بھائیوں کا درد ہے تو تم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ آج سوچ لے۔ کیا وہ اس بات کے لئے راضی ہے کہ جس جابرانہ قوت نے انہیں گرفتار کیا ہے، وہ اس برِاعظم میں اسی طرح قائم رہے جس طرح ان کی گرفتاری کے وقت تھی؟"

"اگر تم ملک کو آزاد کرانا چاہتے ہو، تو اس کا راستہ یہ ہے کہ جن چالاک
دشمنوں کے پاس خونریزی کا بے شمار سامان موجود ہے، انہیں ان کی برابر
بھی اس کے استعمال کا موقع نہ دو۔ اور کامل امن و برداشت کے ساتھ
کام کرو ....

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب تقریروں میں کوئی ایسی بات کہی جاتی ہے
تو اس سے مقرر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے بچاؤ کا سامان کر لے، ورنہ
اس کی دلی خواہش یہ نہیں ہوتی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ آج تمہارے
لئے کام کر رہے ہیں، تم میں سے کوئی آدمی بھی برداشت کے لئے تیار نہ ہوگا
کہ وہ جیل جائے یا نظربند ہونے سے ڈرتے ہیں۔ (میں) اگر وہ یہ کہتے
ہیں کہ امن و نظم کے ساتھ کام کرنا چاہئے، تو ان کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا
کہ اس ظالمانہ گورنمنٹ کے ساتھ وفاداری کرنی چاہئے ہیں۔ جو گورنمنٹ
اس کی طاقت کے اور اس کا تخت آج دنیا میں سب سے بڑا گناہ ہے
یقیناً وہ اس گورنمنٹ کے وفادار نہیں ہو سکتے" اس کے لئے یہ
کہا ہوگا، مگر کاپی میں نہیں ہے" وہ تو صرف اس لئے یہ کہتے ہیں کہ خود تمہاری
کامیابی یا امن رہنے پر موقوف ہے۔ تمہارے پاس وہ شیطانی ہتھیار
نہیں ہیں، جن سے یہ گورنمنٹ مسلح ہے۔ تمہارے پاس [illegible]
دل ہے، قربانی کی طاقت ہے۔ تم انہیں طاقتوں سے (اصل میں ہتھیاروں
سے نہ ہوگا) کام لو۔ اگر تم چاہو کہ اسلحہ کے ذریعہ فتح کرو، تو تم نہیں کر سکتے
آج امن و سکون سے بڑھ کر (تمہارے لئے) کوئی چیز نہیں"

"اگر تم صرف چند گھڑیوں کے لئے گورنمنٹ کو حیران کرنا چاہتے ہو، تو
اس کے لئے میرے پاس بہت سے نسخے ہیں۔ اگر خدانخواستہ میں اس گورنمنٹ

کا استحکام چاہتا، تو وہ نسخے بتلا دیتا .... لیکن میں تو ایسی جنگ چاہتا ہوں (جو) ایک ہی دن میں ختم نہ ہو جائے، بلکہ فیصلہ کے آخری دن تک (جاری رہے) اور جب فیصلہ کی گھڑی آجائے تو پھر یا تو یہ گورنمنٹ باقی نہ رہے، یا تیس کروڑ (انسان) باقی نہ رہیں"

جو الفاظ بریکٹ کے اندر ہیں، وہ تقریر کی پیش کردہ کاپیوں میں نہیں ہیں، لیکن عبارت کے بامعنی ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ میں نے اس لئے تصحیح کر دی کہ پراسیکیوشن کو استدلال میں مدد ملے۔ اگر اس کے مقصد کے لئے پوری تقریر کی تصحیح و تکمیل ضروری ہو تو میں اسی طرح کر دینے کے لئے تیار ہوں۔

ان کے علاوہ دونوں تقریروں میں لوگوں کو نان کوآپریشن کی دعوت دی ہے، مطالبات خلافت اور سوراج کو دہرایا ہے۔ پنجاب کے مظالم پر [illegible] کہا ہے، لوگوں کو بتلایا ہے کہ جو گورنمنٹ جلیانوالہ باغ امرتسر میں چند منٹوں کے اندر سینکڑوں انسانوں کو قتل کر ڈالے اور اس کو جائز فعل بتلائے، اس سے ناانصافی کی کوئی بات بھی بعید نہیں۔

اقرار

(۴) میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے صرف انہی دو تقریروں پر بلکہ گزشتہ دو سال کے اندر اپنی بے شمار تقریروں میں یہ اور اسی مطلب کے لئے اس سے زیادہ واضح اور قطعی جملے کہے ہیں۔ ایسا کہنا میرے اعتقاد میں میرا فرض ہے۔ میں فرض کی تعمیل سے اس لئے باز نہیں رہ سکتا کہ وہ ۱۲۴-الف کا جرم قرار دیا جائے گا۔ میں اب بھی ایسا ہی کہنا چاہتا ہوں اور

جہاں تک بول سکتا ہوں، ایسا ہی کہتا ہوں گا، اگر میں ایسا نہ کہوں تو اپنے آپ کو خدا اور اس کے بندوں کے آگے بدترین گناہ کا مرتکب سمجھوں۔

موجودہ گورنمنٹ ظالم ہے

(۷) یقیناً میں نے کہا ہے "موجودہ گورنمنٹ ظالم ہے" لیکن اگر میں یہ نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟ میں نہیں جانتا کہ کیوں مجھ سے یہ توقع کی جائے کہ ایک چیز کو اس کے اصلی نام سے نہ پکاروں؟ میں سیاہ کو سفید کہنے سے انکار کرتا ہوں۔

میں کم سے کم اور نرم سے نرم لفظ جو اس بارے میں بول سکتا ہوں یہی ہے۔ ایسے بالکل صاف و قطعی جو اس سے کم ہو، میرے علم میں کوئی نہیں۔

میں یقیناً یہ کہتا رہا ہوں کہ ہمارے فرض کے سامنے دو ہی راہیں ہیں۔ گورنمنٹ نا انصافی اور حق تلفی سے باز آجائے۔ اگر باز نہیں آسکتی تو مٹا دی جائے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ یہ تو انسانی عقائد کی اتنی پرانی سچائی ہے کہ صرف پہاڑ اور سمندر ہی اس کے ہم عمر کہے جا سکتے ہیں۔ جو چیز بری ہے، اسے یا تو درست ہو جانا چاہیے، یا مٹ جانا چاہیے۔ تیسری بات کیا ہو سکتی ہے؟ جبکہ میں اس گورنمنٹ کی برائیوں پر یقین رکھتا ہوں، تو یقیناً یہ دعا نہیں مانگ سکتا کہ درست بھی نہ ہو اور اس کی عمر بھی دراز ہو!

میرا یہ اعتقاد کیوں ہے؟

(۸) میرا اور میرے کروڑوں ہموطنوں کا ایسا اعتقاد کیوں ہے؟

اس کے وجوہ و دلائل اب اس قدر آشکارا ہو چکے ہیں کہ ملٹن کے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے "سورج کے بعد دنیا کی ہر چیز سے زیادہ واضح اور محسوس" محسوسات کے لئے ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ انکار نہ کرو۔ تاہم میں کہنا چاہتا ہوں ہوں کہ

میرا یہ اعتقاد اس لئے ہے کہ میں ہندوستانی ہوں، اس لئے ہے کہ میں مسلمان ہوں، اس لئے ہے کہ میں انسان ہوں۔

شخصی اقتدار بالذات ظلم ہے

میرا اعتقاد ہے کہ آزاد رہنا ہر فرد اور قوم کا پیدائشی حق ہے۔ کوئی انسان یا انسانوں کی گڑھی ہوئی بیوروکریسی یہ حق نہیں رکھتی کہ خدا کے بندوں کو اپنا محکوم بنائے۔ محکومی اور غلامی کے لئے کیسے ہی خوشنما نام کیوں نہ رکھ لئے جائیں، لیکن وہ غلامی ہی ہے، اور خدا کی مرضی اور اس کے قانون کے خلاف ہے۔ پس میں موجودہ گورنمنٹ کو جائز حکومت تسلیم نہیں کرتا، اور اپنا ملکی، مذہبی اور انسانی فرض سمجھتا ہوں کہ اس کی محکومی سے ملک و قوم کو نجات دلاؤں۔

"اصلاحات" اور "بتدریج توسیع اختیارات" کا مشہور مغالطہ میرے اس صاف اور قطعی اعتقاد میں کوئی غلط فہمی پیدا نہیں کر سکتا۔ آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے، اور کسی انسان کو اختیار نہیں کہ حقوق کی ادائگی میں حد بندی اور تقسیم کرے۔ یہ کہنا کہ کسی قوم کو اُس کی آزادی بتدریج ملنی چاہئے، بعینہٖ ایسی ہی ہے جیسے کہا جائے کہ مالک کو اُس کی جائداد اور قرضدار کو اُس کا قرض ٹکڑے ٹکڑے کر کے دینا چاہئے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر مقروض سے ایک ہی دفعہ قرض واپس نہ مل سکے تو قرضدار کو یہی کرنا پڑے گا کہ قسط کی صورت میں

وصول کرے لیکن یہ ایک مجبوری کا سمجھوتہ ہوگا۔ اس سے یہ یک دفعہ وصولی کا حق
زائل نہیں ہو جا سکتا۔

"ریفارم" کی نسبت میں روس کے عظیم الشان لیو ٹالسٹائی (LEO TALSTOY)
کے لفظوں میں کہوں گا "اگر قیدیوں کو اپنے ووٹ سے اپنا جیلر منتخب کر لینے کا اختیار
مل جائے، تو اس سے وہ آزاد نہیں ہو جائیں گے"۔

میرے لئے اس کے اچھے بُرے کاموں کا سوال ایک ثانوی سوال ہے۔ پہلا
سوال خود اس کے وجود کا ہے۔ میں ایسے حاکمانہ اقتدار کو بہ اعتبار اسکی خلقت
ہی کے ناجائز یقین کرتا ہوں۔ اگر وہ تمام ناانصافیاں ظہور میں آتیں جو اس کثرت
سے واقع ہو چکی ہیں، جب بھی میرے اعتقاد میں وہ ظلم تھا۔ کیونکہ اس کی ہستی
ہی سب سے بڑی ناانصافی ہے، اور اس کی بُرائی کے لئے اس قدر کافی ہے کہ وہ
موجود ہو۔ اگر وہ اچھے کام کرے، تو اس کی اچھائی تسلیم کر لی جائے گی لیکن
اس کا وجود ناجائز اور ناانصافی ہی رہے گا۔ اگر ایک شخص ہماری جائداد پر قابض
ہو کر بہت اچھے اور نیک کام انجام دے، تو اُس کے کاموں کی خوبی کی وجہ سے
اُس کا قبضہ جائز نہیں ہو جا سکتا۔

بُرائی میں کم و کیفیت کے اعتبار سے تقسیم کی جا سکتی ہے، لیکن حسن و قبح
کے اعتبار سے اُس کی ایک ہی قسم ہے۔ یعنی اس اعتبار سے تقسیم ہو سکتی ہے کہ وہ
کتنی ہے اور کیسی ہے؟ اس اعتبار سے نہیں ہو سکتی کہ وہ اچھی ہے یا بُری ہے؟
ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "زیادہ بُری چوری" اور "کم بُری چوری" لیکن یہ تو نہیں کہہ سکتے
کہ "اچھی چوری" اور "بُری چوری"؟ پس میں بیوروکریسی کی اچھائی اور ناجائز ہونیکا
کسی حال میں بھی تصور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ فی نفسہ ایک ناجائز عمل ہے۔ البتہ اسکی
بُرائی کم اور زیادہ ہو سکتی ہے۔ لیکن ہندوستان کی بیوروکریسی تو اتنا بھی نہ کر سکی کہ اپنی

خلقی بُرائی ہی پر قانع رہتی۔ جب اُس کی خلقی بُرائی پر اُس کی بے شمار عملی بُرائیوں کا بھی برابر اضافہ ہو رہا ہے، تو پھر کیونکر اس کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس کے ظلم کا اعلان نہ کیا جائے؟

اسلام اور بیوروکریسی

(۵) میں مسلمان ہوں، اور بحیثیت مسلمان ہونے کے بھی میرا فرض یہی ہے۔ اسلام کبھی ایسے اقتدار کو جائز تسلیم نہیں کرتا جو شخصی ہو یا چند تنخواہ دار حاکموں کی بیوروکریسی ہو۔ وہ آزادی اور جمہوریت کا ایک مکمل نظام ہے جو نوعِ انسانی کو اس کی چھینی ہوئی آزادی واپس دلانے کے لئے آیا تھا۔ یہ آزادی بادشاہوں، اجنبی حکومتوں، خود غرض مذہبی پیشواؤں اور سوسائٹی کی طاقتور جماعتوں نے غصب کر رکھی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ حق طاقت اور قبضہ ہے۔ لیکن اسلام ظاہر ہوتے ہی اعلان کیا کہ حق طاقت نہیں ہے بلکہ خود حق ہے، اور خدا کے سوا کسی انسان کو سزاوار نہیں کہ بندگانِ خدا کو اپنا محکوم اور غلام بنائے۔ اُس نے امتیاز اور بالا دستی کے تمام قومی اور نسلی مراتب یک قلم مٹا دیے، اور دُنیا کو بتلا دیا کہ سب انسان درجے میں برابر ہیں، اور سب کے حقوق مساوی ہیں۔ نسل، قومیت، رنگ، معیارِ فضیلت نہیں ہے، بلکہ صرف عمل ہے۔ اور سب سے بڑا وہی ہے جس کے کام سب سے اچھے ہوں:- یا ایھا الناس! انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم! (سورہ حجرات)

اسلام ایک جمہوری نظام ہے

انسانی حقوق کا یہ وہ اعلان ہے جو انقلاب فرانس سے گیارہ سو برس پہلے ہوا ہے
صرف اعلان ہی نہ تھا، بلکہ ایک عملی نظام تھا جو مشہور مؤرخ گبن کے لفظوں میں
"اپنی کوئی مثال نہیں رکھتا" پیغمبر اسلام اور ان کے جانشینوں کی حکومت ایک
مکمل جمہوریت تھی، اور صرف قوم کی رائے، نیابت، اور انتخاب سے اس کی بنا قائم
ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی اصطلاح میں جیسے جامع اور عمدہ الفاظ اس
مقصد کے لئے موجود ہیں، شاید ہی دنیا کی کسی زبان میں پائے جائیں۔ اسلام نے
"بادشاہ" کے اقتدار شخصیت سے انکار کیا ہے، اور صرف ایک پریسیڈنٹ جمہوریت
(پریسیڈنٹ آف ری پبلک) کا عہدہ قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی "خلیفہ"
کا لقب تجویز کیا جس کے لغوی معنی نیابت کے ہیں۔ گویا اس کا اقتدار محض نیابت ہے
اس سے زیادہ کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ اسی طرح قرآن نے نظام حکومت کے لئے
"شوریٰ" کا لفظ استعمال کیا: وامرھم شوریٰ بینھم۔ چنانچہ ایک پوری سورت
اسی نام سے قرآن میں موجود ہے۔ "شوریٰ" کے معنی باہم مشورہ کے ہیں۔ یعنی
جو کچھ کیا جائے، جماعت کے باہم رائے اور مشورہ سے کیا جائے۔ شخصی رائے اور
حکم سے نہ ہو۔ اس سے زیادہ صحیح نام جمہوری نظام کے لئے کیا ہو سکتا ہے؟

قومی اور مسلم بیوروکریسی کا مظاہرہ

جب اسلام مسلمانوں کا یہ فرض قرار دیتا ہے کہ وہ ایسی اسلامی حکومت کو بھی منصفانہ
تسلیم نہ کریں، جو قوم کی رائے اور انتخاب سے نہ ہو، تو پھر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے
ایک اجنبی بیوروکریسی کیا حکم رکھتی ہے؟ اگر آج ہندوستان میں ایک خالص

اسلامی حکومت قائم ہو جائے مگر اس کا نظام بھی شخصی ہو یا چند حاکموں کی بیورو کریسی ہو، تو بہ حیثیت مسلمان ہونے کے اُس وقت بھی میرا فرض یہی ہوگا کہ اُس کو ظلم کہوں اور تبدیلی کا مطالبہ کروں۔ اسلام کے علماء حق نے ہمیشہ جابر مسلمان بادشاہوں کے خلاف ایسا ہی اعلان و مطالبہ کیا ہے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ نظام بعد کو قائم نہ رہ سکا۔ مشرقی رومی حکومت اور ایرانی شہنشاہی کے پرشوکت افسانوں نے مسلمان حکمرانوں کو گمراہ کردیا۔ اسلامی خلیفہ کی جگہ، جو بسا اوقات پھٹے پرانے کپڑوں میں ایک عام فرد کی طرح ملبوس ہوتا تھا، انہوں نے قیصر و کسریٰ بننے کو ترجیح دی۔ تاہم تاریخ اسلام کا کوئی عہد بھی ایسے مسلمانوں سے خالی نہیں رہا ہے، جنہوں نے علانیہ حکام وقت کے استبداد و شخصیت کے خلاف احتجاج نہ کیا ہو اور ان تمام تکلیفوں کو خوشی خوشی جھیل نہ لیا ہو جو اس راہ میں پیش آئی ہیں۔

مسلمانوں کا قومی وظیفہ

ایک مسلمان سے یہ توقع رکھنی کہ وہ حق کا اعلان نہ کرے اور ظلم کو ظلم نہ کہے بالکل ایسی ہی بات ہے، جیسے یہ کہا جائے کہ وہ اسلامی زندگی سے دست بردار ہو جائے۔ اگر تم کسی آدمی سے اس مطالبہ کا حق نہیں رکھتے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دے، تو یقیناً ایک مسلمان سے یہ مطالبہ بھی نہیں کر سکتے کہ وہ ظلم کو

ظلم نہ کرے - کیونکہ دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے -

یہ تو اسلامی زندگی کا وہ عنصر ہے، جس کے الگ کر دینے کے بعد اُس کی سب سے بڑی مابہ الامتیاز خصوصیت معدوم ہو جاتی ہے - اسلام نے مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد ہی اس بات پر رکھی ہے کہ وہ دنیا میں سچائی اور حقیقت کے گواہ ہیں - ایک گواہ کا فرض ہوتا ہے کہ جو کچھ جانتا ہے بیان کر دے - ٹھیک اُسی طرح ہر مسلمان کا بھی وظیفہ (ڈیوٹی) ہے کہ جس سچائی کا اُسے علم و یقین دیا گیا ہے، ہمیشہ اُس کا اعلان کرتا رہے، اور ادائے فرض کی راہ میں کسی آزمائش اور مصیبت سے نہ ڈرے - علی الخصوص جب ایسا ہو کہ ظلم و جبر کا دور دورہ ہو جائے، اور جبر و تشدد کے ذریعہ اعلانِ حق کو روکا جائے، تو پھر یہ فرض اور زیادہ لازمی اور ناگزیر ہو جاتا ہے کیونکہ اگر طاقت کے ڈر سے لوگوں کا چُپ ہو جانا گوارا کر لیا جائے اور "دو اور دو" کو اس لئے "چار" نہ کہا جائے کہ ایسا کہنے سے انسانی جسم مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو پھر سچائی اور حقیقت ہمیشہ کے لئے خطرہ میں پڑ جائے، اور حق کے اُبھرنے اور قائم رہنے کی کوئی راہ باقی نہ رہے - حقیقت کا قانون نہ تو ہماری تصدیق کا محتاج ہے نہ اس لئے بدل جا سکتا ہے کہ ہمارے جسم پر کیا گزر تی ہے؟ وہ تو حقیقت ہے - اور اُس وقت بھی حقیقت ہے جب اُس کے اعلان سے ہمارا جسم آگ کے شعلوں کے اندر جھونک دیا جائے - صرف اس لئے کہ ہمیں قید کر دیا جائے گا آگ میں ٹھنڈک اور برف میں گرمی نہیں پیدا ہو جا سکتی!

شہادۃ علی الناس

یہی وجہ ہے کہ اسلام کی کتاب شریعت (قرآن) میں مسلمانوں کو بتلایا گیا ہے

کہ وہ خدا کی زمین میں "شاھد" ہیں۔ یعنی سچائی کی گواہی دینے والے ہیں۔ حیثیت ایک قوم کے یہی اُن کا قومی وظیفہ (نیشنل ڈیوٹی) ہے، اور یہی اُن کی قومی خصلت (نیشنل کیرکٹر) ہے جو اُن کو تمام پچھلی اور آئندہ قوموں میں ممتاز کرتی ہے: وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس! اسی طرح پیغمبر اسلام نے فرمایا انتم شہداء اللہ فی الارض (بخاری) تم خدا کی زمین پر خدا کی طرف سے سچائی کے گواہ ہو۔ پس ایک مسلمان جبتک مسلمان ہے اس گواہی کے اعلان سے باز نہیں رہ سکتا۔

کتمان شہادت

اگر وہ باز رہے تو یہ قرآن کی اصطلاح میں "کتمان شہادت" ہے۔ یعنی گواہی کا چھپانا۔ قرآن نے ایسا کرنے والوں کو خدا کی پھٹکار کا مستوجب قرار دیا ہے اور بار بار کہا ہے کہ اسی کتمان شہادت کی وجہ سے دُنیا کی بڑی بڑی قومیں برباد و ہلاک ہوگئیں: ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ من بعد ما بینہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون (بقرہ) لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علیٰ لسان داؤد و عیسیٰ ابن مریم ذالک بما عصوا وکانوا یعتدون۔ کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون!

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اسی لئے اسلام کے واجبات و فرائض میں ایک اہم فرض "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" ہے۔ یعنی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ قرآن نے عقیدۂ توحید کے بعد جن کاموں پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، اُن میں سے ایک کام یہ ہے۔ قرآن

نے بتلایا ہے کہ مسلمانوں کی تمام قومی بڑائی کی بنیاد اسی کام پر ہے۔ وہ سب سے بڑی اور اچھی قوم اس لئے ہیں کہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی کو روکتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو اپنی ساری بڑائی کھو دیں: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس: تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر۔

قرآن سچے مسلمانوں کی پہچان یہ بتلاتا ہے: "وہ حق کے اعلان میں کسی سے نہیں ڈرتے۔ نہ دنیا کی کوئی لالچ ان پر غالب آسکتی ہے، نہ کوئی خوف۔ وہ طمع بھی رکھتے ہیں تو صرف خدا سے اور ڈرتے بھی ہیں تو صرف خدا سے"۔

پیغمبر اسلام کے بیشمار قولوں میں سے جو اس بارے میں ہیں، ایک قول یہ ہے "نیکی کا اعلان کرو۔ برائی کو روکو۔ اگر نہ کروگے تو ایسا ہوگا کہ نہایت برے لوگ تم پر حاکم ہو جائیں گے، اور خدا کا عذاب تمہیں گھیر لیگا۔ تم دعائیں مانگوگے کہ یہ حاکم ٹل جائیں مگر قبول نہ ہوگی" (ترمذی و طبرانی عن حذیفہ و عمرؓ)

لیکن یہ فرض کیونکر انجام دیا جائے؟ تو اسلام نے تین مختلف حالتوں میں اس کے تین مختلف درجے بتلائے ہیں۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے فرمایا: "تم میں سے جو شخص برائی کی بات دیکھے تو چاہیے اپنے ہاتھ سے درست کردے۔ اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے اعلان کرے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ پائے تو اپنے دل میں

اُس کو بُرا سمجھے۔ لیکن یہ آخری درجہ ایمان کی بڑی ہی کمزوری کا درجہ ہے۔ مسلم ہندوستان میں ہمیں یہ استطاعت نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ سے گورنمنٹ کی بُرائیاں دور کردیں۔ اس لئے ہم نے دوسرا درجہ اختیار کیا جس کی استطاعت حاصل ہے۔ یعنی زبان سے اس کا اعلان کرتے ہیں۔

ارکان اربعہ

قرآن نے مسلمانوں کی اسلامی زندگی کی بُنیاد چار باتوں پر رکھی ہے اور بتلایا ہے کہ ہر طرح کی انسانی ترقی اور کامیابی انہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے :- ایمان۔ عمل صالح۔ توصیۂ حق۔ توصیۂ صبر۔

"توصیۂ حق" کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ حق اور سچائی کی ایک دوسرے کو وصیت کرنا۔ "توصیۂ صبر" کے معنی یہ ہیں کہ ہر طرح کی مصیبتوں اور روکاوٹوں کو جھیل لینے کی وصیت کرنا۔ چونکہ حق کے اعلان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مصیبتیں پیش آئیں، اس لئے حق کے ساتھ صبر کی وصیت بھی ضروری تھی، تاکہ مصیبتیں اور روکاوٹیں جھیل لینے کے لئے ہر حق گو طیار ہو جائے :- والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا، وعملوا الصالحات، وتوا صوا بالحق وتوا صوا بالصبر۔

اسلامی توحید اور امر بالمعروف

اسلام کی بُنیاد عقیدۂ "توحید" پر ہے۔ اور "توحید" کا ضد "شرک" ہے جس سے بیزاری اور نفرت ہر مسلمان کی فطرت

میں داخل کی گئی ہے۔ توحید سے مقصود یہ ہے کہ خدا کو اس کی ذات اور صفات میں ایک ماننا۔ شرک کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ذات اور صفتوں میں کسی دوسری ہستی کو شریک کرنا۔ پس سچائی کے اظہار میں بے خوفی اور بے باکی ایک مسلمان کی زندگی کا خمیر ہے۔ توحید مسلمانوں کو سکھلاتی ہے کہ ڈرنے اور جھکنے کی سزاوار صرف خدا ہی کی عظمت و جبروت ہے اس کے سوا کوئی نہیں جس سے ڈرنا چاہیئے یا جس کے آگے جھکنا چاہیئے۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی دوسری ہستی سے ڈرنا خدا کے ساتھ اس کو شریک کرنا اور اپنے دل کے خوف و اطاعت کا حقدار ماننا ہے۔ یہ بات توحید کے ساتھ اکٹھی نہیں ہو سکتی۔

اسی لئے اسلام تمام تر بے خوفی اور قربانی کی دعوت ہے۔ قرآن بار بار کہتا ہے "مسلمان وہ ہے جو خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ ہر حال میں سچی بات کہے۔" (ولم یخش الا اللہ) پیغمبر اسلام نے فرمایا "سب سے بہتر موت اس آدمی کی موت ہے جو کسی ظالم حکومت کے سامنے حق کا اظہار کرے اور اس کی پاداش میں قتل کیا جائے۔" (ابو داؤد) وہ جب کسی آدمی سے اسلام کا عہد و اقرار لیتے تھے تو ایک اقرار یہ ہوتا تھا "میں ہمیشہ حق کا اعلان کروں گا۔ خواہ کہیں ہوں اور کسی حالت میں ہوں۔" (بخاری و مسلم)

اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں حق گوئی اور حق گوئی کے لئے قربانی کی ایسی مثالیں نہیں مل سکتیں، جن سے تاریخ اسلام کا ہر باب معمور ہے۔ اسلام کے علماء، پیشواؤں، بزرگوں، مصنفوں کے تراجم (BIOGRAPHY)

...قربانی کی ...گزشت ہیں!

جن مسلمانوں کے مذہبی فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ وہ حق قبول کرلیں مگر حق گوئی سے باز نہ آئیں، ان کے لیئے دفعہ ۱۲۴ الف کا مقدمہ یقیناً کوئی بڑی ڈراونی چیز نہیں ہوسکتا جس کی زیادہ سے زیادہ سزا سات برس کی قید ہے!

اسلام میں کوئی دفعہ ۱۲۴ الف نہیں

تاریخ اسلام کے دو دور ہیں۔ پہلا دور پیغمبر اسلام اور اُن کے چار جانشینوں کا ہے یہ دور خالص اور کامل طور پر اسلامی نظام کا تھا۔ یعنی اسلامی جمہوریت (ری پبلک) اپنی اصلی صورت میں قائم تھی۔ ایرانی شہنشاہی اور رومی امارت (ARISTOCRACY) کا کوئی اثر ابھی اسلامی مساوات عامہ (DEMOCRACY) پر نہیں پڑا تھا۔ اسلامی جمہوریت کا خلیفہ خود بھی طبقہ عوام (ڈیموکریٹ) کا ایک فرد ہوتا تھا، اور ایک عام فرد قوم کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ دار الخلافت کے ایک خس پوش چھپر میں رہتا اور چار چار پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتا۔ اسلام کے دار الخلافت میں امریکن ری پبلک کا کوئی قصر سفید (وائٹ ہاؤس) نہ تھا۔

دوسرا دور شخصی حکمرانی اور شہنشاہی کا ہے جو خاندان بنو امیہ سے شروع ہوا اس دور میں اسلامی جمہوریت درہم برہم ہوگئی۔ قوم کے انتخاب کی جگہ طاقت و تسلط کا دور شروع ہوگیا۔ شاہی خاندان سے طبقۂ امراء (ارسٹوکریٹ) کی بنیاد پڑی اور اسلام کے گلیم پوش خلیفہ کی جگہ شہنشاہیت کا تاج و تخت نمودار ہوگیا۔

تاہم مسلمانوں کی زبانیں جس طرح پہلے دور کی آزادی میں بے روک تھیں اسی طرح دوسرے دور کے جبر و استبداد میں بھی بے خوف رہیں۔ میں بتلانا چاہتا ہوں کہ تعزیرات ہند (پینل کوڈ) کی طرح اسلامی قانون میں کوئی دفعہ ۱۲۴-الف نہیں ہے!

پہلے دور کے مسلمانوں کی حق گوئی کا یہ حال تھا کہ دارالخلافت کی ایک بڑھیا عورت خلیفہ وقت سے برسرِ عام کہہ سکتی تھی "اگر تم انصاف نہ کرو گے تو تکلے کی طرح تمہارے بل نکال دینگے" لیکن وہ مقدمہ بغاوت چلانے کی جگہ خدا کا شکر کرتا کہ قوم میں ایسی راست باز زبانیں موجود ہیں۔ جمعہ کے مجمع میں جب خلیفہ منبر پر خطبہ کے لئے کھڑا ہوتا اور کہتا "اسمعوا و اطیعوا" سنو اور اطاعت کرو۔ تو ایک شخص کھڑا ہو جاتا اور کہتا "نہ تو سنیں گے اور نہ اطاعت کریں گے" کیوں "اس لئے کہ تمہارے جسم پر جو جبہ ہے وہ تمہارے حصہ کے کپڑے سے زیادہ کا بنا ہوا ہے اور یہ خیانت ہے" اس پر خلیفہ اپنے لڑکے سے گواہی دلاتا۔ وہ اعلان کرتا کہ میں نے اپنے حصہ کا کپڑا بھی اپنے باپ کو دیدیا تھا۔ اس سے جبہ طیار ہوا۔

قوم کا یہ طرزِ عمل اُس خلیفہ کے ساتھ تھا، جس کی صولت و سطوت نے مصر اور ایران کا تخت اُلٹ دیا تھا۔ تاہم اسلامی حکومت میں کوئی دفعہ ۱۲۴-الف نہ تھی۔

دوسرا دور شخصی جبر و استبداد (AUTOCRACY) کا تھا، جس کی پہلی ضرب

آزادیٔ رائے اور آزادی تقریر بھی پڑتی ہے۔ لیکن اس دور میں بھی زبانوں کی بیباکی اور دلوں کی بے خوفی اسی طرح سرگرم رہی" اور تیغ تاریخ کی تاریک کوٹھریاں، تازیانوں کی ضرب، اور جلاد کی تیغ بھی انہیں روک نہ سکی۔ پیغمبر اسلام کے ساتھی (صحابۂ کرام) جب تک زندہ رہے، وقت کے جابر بادشاہوں کے ظلم کا اعلان کرتے رہے اور برابر مطالبہ کرتے رہے کہ حکومت قوم کے مشورہ اور انتخاب سے ہونی چاہیے۔ جو لوگ ان کے تربیت یافتہ تھے (تابعین) ان کا اعلان بھی بعینہ یہی رہا کہ "درست ہو جاؤ یا مٹ جاؤ" امام محمد غزالی نے (جن کو یورپ کے مورخین فلسفہ بھی ALGAZEL کے نام سے پہچانتے ہیں، اور اب مسٹر میری کاریلی کے ناول (ARDATH) کے دوسرے باب نے انگریزی علم ادب کو بھی روشناس کر دیا ہے) صرف ان صحابہ اور تابعین کا ذکر کیا ہے جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے زمانے تک موجود تھے، اور جنہوں نے حکمرانوں کے مظالم کا اعلان کر کے ہمیشہ منصفانہ اور نیابتی گورنمنٹ کا مطالبہ کیا تھا انکی تعداد ۲۳ سے بھی زیادہ ہے۔

ہشام بن عبدالملک نے طاؤس یمانی کو بلایا۔ وہ آئے، مگر اس کا نام لیکر سلام کیا "امیر المومنین" یعنی قوم کا سردار نہ کہا جو مسلمان خلفاء کا لقب تھا۔ ہشام نے سبب پوچھا تو کہا "قوم تیری حکومت سے راضی نہیں، اس لئے تجھے ان کا امیر کہنا جھوٹ ہے" ہشام نے کہا۔ نصیحت کیجیے فرمایا "خدا سے ڈر، کیونکہ تیرے ظلم سے زمین بھر گئی"

مالک بن دینار بصرہ کی جامع مسجد میں اعلان کرتے "ان ظالم بادشاہوں کو خدا نے اپنے بندوں کا چرواہا بنایا تھا تاکہ ان کی رکھوالی کریں۔ پر انہوں نے بکریوں کا گوشت کھا لیا۔ بالوں کا کپڑا بن کر پہن لیا۔ اور صرف ہڈیاں چھوڑ دیں"

سلیمان بن عبد الملک جیسے ہیبتناک خلیفہ سے ابو حازم کہتے: "ان آباءک قهروا النّاس بالسّیف، واخذوا الملك عنوة من غیر مشورة من المسلمین ولا رضا منهم" تیرے باپ دادوں نے تلوار کے زور سے لوگوں کو مقہور کیا، اور بلا قوم کی رائے اور انتخاب کے مالک بن بیٹھے۔ سلیمان نے کہا۔ اب کیا کیا جائے؟ جواب دیا "جن کا حق ہے انہیں لوٹا دے" کہا۔ میرے لئے دعا کیجئے۔ فرمایا "خدایا! اگر سلیمان حق پر چلے تو اُسے مہلت دے۔ لیکن اگر ظلم سے باز نہ آئے تو پھر تو ہے اور اس کی گردن"

سعید بن مسیب بہت بڑے تابعی تھے وہ علانیہ بر سر بازار حکام کے ظلم و جور کا اعلان کرتے اور کہتے "کتوں کا پیٹ بھرتے ہو مگر انسانوں کو تم سے امان نہیں"

اس عہد کے بعد بھی مسلمان عالموں اور پیشواؤں کی حق گوئی بدستور عالم رہا۔ منصور عباسی کے خوف و ہیبت سے گھر میں بیٹھے ہوئے لوگ کانپا کرتے تھے۔ سفیان ثوری سے ایک بار اُس نے کہا "مجھ سے اپنی کوئی حاجت بیان کیجئے" انہوں نے جواب دیا "اتق اللہ فقد ملأت الارض ظلماً وجوراً" "خدا سے ڈر، زمین ظلم و جور سے بھر گئی ہے۔"

جب مشہور عباسی خلیفہ، ہارون الرّشید تخت نشیں ہوا (جس نے فرانس کے شاہ پین کو ایک عجیب گھڑی بطور تحفہ کے بھیجی تھی اور قیصر روم کو بقول گبن "اے کتے کے بچے" کے لقب سے خط لکھا تھا)، تو اُس نے انہی سفیان ثوری کو اپنے ہاتھ سے اشتیاق ملاقات کا خط لکھ کر بھیجا۔ خط میں لکھا تھا کہ میں نے تخت نشینی کی خوشی میں بے شمار مال و دولت لوگوں میں تقسیم کی ہے تم بھی مجھ سے آکر ملو۔ سفیان کوفہ کی مسجد میں ایک بڑے مجمع کے اندر بیٹھے تھے کہ یہ خط پہنچا۔ لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا اور

کہا "جس چیز کو ایک ظالم کے ہاتھ نے چھوا ہے، میں اُسے چھونا نہیں چاہتا" جب پڑھ کر سنایا گیا تو اُسی کی پشت پر جواب لکھوا دیا۔ "خدا کے مغرور بندے ہارون کو جس کا ذوق ایمان سلب ہو چکا ہے، معلوم ہو۔ تو نے قوم کا مال بلا کسی حق کے اپنی تخت نشینی کی خوشی میں لٹایا اور اس کا حال لکھ کر اپنے گناہ پر مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھی گواہ ٹھرایا۔ پس ہم سب کل کو اللہ کے آگے اس کی گواہی دینگے۔ اے ہارون! تو نے انصاف و حق سے کنارہ کیا۔ تو نے پسند کیا کہ ظالم بنے اور ظالموں کی سرداری پائے۔ تیرے حاکم بندگان خدا کو ظلم و جور سے پامال کر رہے ہیں اور تو تخت شاہی پر عیش و عشرت کر رہا ہے" ہارون نے جب یہ خط پڑھا تو بے اختیار رونے لگا اور کہا۔ یہ خط ہمیشہ میرے ساتھ رہیگا!

مسلمان عالموں اور اماموں پر موقوف نہیں، اس عہد کا ہر عام فرد بھی حق کے اعلان میں بالکل بے خوف تھا منصور عباسی ایک دن کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ آواز آئی کہ کوئی شخص دعا مانگ رہا ہے "خدایا! میں تیرے آگے فریاد کرتا ہوں۔ ظلم غالب آگیا ہے اور حق اور حقداروں کے درمیان روک بن گیا ہے" منصور نے اُس شخص کو بلا کر پوچھا "وہ کون ہے جس کا ظلم روک بن گیا ہے؟" کہا "تیرا وجود اور تیری حکومت"

حجاج بن یوسف کا ظلم و ستم تاریخ اسلام کا نہایت مشہور واقعہ ہے لیکن اسکی بے پناہ تلوار بھی مسلمانوں کی حق گوئی پر غالب نہ آسکی۔ حطیط جب گرفتار ہوکر آیا تو پوچھا اب میرے لئے کیا کہتے ہو؟ اُس نے کہا "تو خدا کی زمین پر اس کا سب سے بڑا دشمن ہے" پوچھا۔ خلیفہ کے لئے کیا کہتے ہو؟ کہا اس کا جرم تجھ سے بھی زیادہ ہے۔ تیرا ظلم تو اس کے بے شمار ظلموں میں سے صرف ایک ظلم ہے"

مامون الرشید کے عہد میں ایسے مسلمان موجود تھے جو پکار پکار کر برسر دربار کہتے "یا ظالم انا ظالم ان لم اقل لک یا ظالم!" اے ظالم! میں ظالم ہوں اگر تجھے ظالم کہہ کر نہ پکاروں!"

فتنہ تاتار اور فتنہ یورپ

یہ تو تاریخ اسلام کے ابتدائی اوراق ہیں، لیکن اس عہد کے بعد بھی ہر دور کا یہی حال رہا۔ مسلمانوں کے لئے موجودہ عہد کا عالمگیر فتنہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے۔ وہ ایک ایسے ہی سیلاب میں ڈوب کر اچھل چکے ہیں۔ جس طرح آج یورپ اور علی الخصوص انگلستان کے ظہور اور تسلط سے تمام ایشیا اور اسلامی ممالک کی آزادی کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح پندرہویں صدی مسیحی میں بھی تاتاریوں کے وحشیانہ تسلط سے ظہور میں آیا تھا۔ یورپ کے فتنہ کا آخری نتیجہ عثمانی خلافت کی پامالی اور ایشیاء کوچک کا قتل عام ہے۔ تاتاری فتنہ کی آخری وحشت ناکی عباسی خلافت کا خاتمہ اور بغداد کا قتل عام تھا۔ تاتاری انسان نہیں تھے، درندے تھے۔ تاہم ہلاکو خاں، منکو خاں، اباقاآن خاں جیسے سفاکوں کے زمانے میں بھی وہ مسلمان موجود رہے جن کی زبانیں اعلان حق میں اُن کی تلواروں سے بھی زیادہ تیز تھیں۔ شیخ سعدی شیرازی نے (جن کی "گلستان" کا نام اس

کورٹ نے بھی سُنا ہو گا) ہلاکو خاں کے مُنہ پر اُسے ظالم کہا۔ شمس الدین تیاری نے منکو خاں کے دربار میں اس کی ہلاکت کی دعا مانگی۔ شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ نے اباقا آن پر بر سرِ دربار لعنت بھیجی۔ تاتاریوں کے پاس بے دریغ قتل کر دینے کا قانون تھا۔ تاہم "تورۂ چنگیز خانی" (قوانین چنگیز خاں) میں کوئی دفعہ ۱۲۴۔الف نہ تھی!

"حجاج" اور "ریڈنگ"

ہم مسلمانوں کا جب اپنی قومی گورنمنٹوں کے ساتھ (جن کی اطاعت ازروئے شرع ہم پر واجب ہے) ایسا سلوک رہا ہے، تو پھر ایک اجنبی گورنمنٹ کے کارندے ہم سے کیا امید رکھتے ہیں؟ کیا ہندوستان کی "ازروئے قانون قائم شدہ" گورنمنٹ ہمارے لئے اُس گورنمنٹ سے بھی زیادہ محترم ہے جو "ازروئے شریعتِ اسلام واجب الاطاعت ہے؟ کیا انگلستان کی بادشاہت اور لارڈ ریڈنگ کی نیابت عبدالملک کی خلافت اور حجاج بن یوسف کی نیابت سے بھی ہمارے لئے زیادہ مقدس ہو سکتی ہے؟ اگر ہم "اجنبی و غیر مسلم" اور "قومی و مسلم" کا عظیم الشان اور شرعی فرق بالکل نظر انداز کر دیں، جب بھی ہم سے صرف یہی امید کی جا سکتی ہے کہ جو کچھ حجاج بن یوسف اور خالد قسری کی گورنمنٹوں کے لئے کہہ چکے ہیں، وہی "چمسفورڈ" اور "ریڈنگ" کی گورنمنٹوں کے لئے بھی کہیں۔ ہم نے اُن سے کہا تھا "اتق اللہ فقد ملاءت الارض ظلما و جورا" **خدا سے ڈرو کیونکہ تمہارے ظلم سے زمین بھر گئی ہے** ایسی ہم آج بھی کہتے ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی کمز[illegible]بسی کی وجہ سے آج ہندوستان میں جو کچھ کر رہے ہیں، وہ دراصل قومی حکمرانوں کے ظلم و جور کے لئے ہمیں تبلایا گیا تھا، نہ کہ ایک اجنبی قبضہ و تصرف کے مقابلے میں۔ اگر برٹش گورنمنٹ کے ارکان اس حقیقت کو

سمجھتے تو انہیں تسلیم کرنا پڑتا کہ مسلمانوں کے تسامح اور درگزر کی حد ہو گئی ہے۔ اس سے زیادہ وہ اسلام کو برطانیہ کے لئے نہیں چھوڑ سکتے!

اسلام نے حکمرانوں کے ظلم کے مقابلہ میں دو طرح کے طرزِ عمل کا حکم دیا ہے کیونکہ حالتیں بھی دو مختلف ہیں: ایک ظلم اجنبی قبضہ و تسلط کا ہے۔ ایک خود مسلمان حکمرانوں کا ہے۔ پہلے کے لئے اسلام کا حکم ہے کہ تلوار سے مقابلہ کیا جائے دوسرے کے لئے حکم ہے کہ تلوار سے مقابلہ تو نہ کیا جائے لیکن "امر بالمعروف" اور "اعلانِ حق" جس قدر بھی امکان میں ہو، ہر مسلمان کرتا رہے۔ پہلی صورت میں دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہونا پڑے گا۔ دوسری صورت میں ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں طرح طرح کی اذیتیں اور سزائیں جھیلنی پڑیں گی۔ مسلمانوں کو دونوں حالتوں میں دونوں طرح کی قربانیاں کرنی چاہئیں، اور دونوں کا نتیجہ کامیابی و فتح مندی ہے۔ چنانچہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں مسلمانوں نے دونوں طرح کی قربانیاں کیں۔ اجنبیوں کے مقابلہ میں سرفروشی بھی کی، اور اپنوں کے مقابلے میں صبر و استقامت بھی دکھلائی۔ پہلی صورت میں جس طرح ان کی "جنگی جدوجہد" کوئی مثال نہیں رکھتی۔ اسی طرح دوسری صورت میں اُن کی "شہری جدوجہد" بھی عدیم النظیر ہے۔

ہندوستان میں آج مسلمانوں نے دوسری صورت اختیار کی ہے حالانکہ مقابلہ ان کا پہلی حالت سے ہے۔ اُن کے لئے "جنگی جدوجہد" کا وقت آ گیا تھا لیکن انہوں نے "شہری جدوجہد" کو اختیار کیا۔ انہوں نے "نان وائلنس" رہنے کا فیصلہ کر کے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ ہتھیار سے مقابلہ نہ کریں گے۔ یعنی صورت [illegible] اختیار کر لی گئی جو انہیں مسلمان حکومتوں کے ظلم کے مقابلہ میں کرنا چاہئے۔ بلاشبہ اس طرزِ عمل میں ہندوستان کی ایک خاص طرح کی حالت کو بھی دخل ہے۔ لیکن گورنمنٹ کو سوچنا چاہئے کہ اس سے زیادہ بدبخت مسلمان اور کیا کر سکتے ہیں؟ حد ہو گئی کہ اجنبیوں

کے ظلم کے مقابلے میں وہ بات کر رہے ہیں، جو انہیں اپنوں کے مقابلے میں کرنی تھی!

انقلاب حال!

میں سچ کہتا ہوں۔ مجھے اس کی رائی برابر بھی شکایت نہیں کہ سزا دلانے کے لئے مجھ پر مقدمہ چلایا گیا ہے۔ یہ بات تو بہر حال ہونی ہی تھی۔ لیکن حالات کا یہ انقلاب میرے لئے بڑا ہی درد انگیز ہے کہ ایک مسلمان سے کتمان شہادت کی توقع کی جاتی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ وہ ظلم کو صرف اس لئے ظلم نہ کہے کہ دفعہ ۱۲۴-الف کا مقدمہ چلایا جائے گا!

مسلمانوں کو حق گوئی کا جو نمونہ ان کی قومی تاریخ دکھلاتی ہے، وہ تو یہ ہے کہ ایک جابر حکمراں کے سامنے ایک بے پروا انسان کھڑا ہے۔ اس پر الزام یہ ہے کہ اس نے حکمراں کے ظلم کا اعلان کیا۔ اس کی پاداش میں اس کا ایک ایک عضو کاٹا جا رہا ہے لیکن جب تک زبان نہیں کٹ جاتی، وہ یہی اعلان کرتی رہتی ہے کہ حکمراں ظالم ہے! یہ واقعہ خلیفہ عبدالملک کے زمانے کا ہے جس کی حکومت افریقہ سے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ تم دفعہ ۱۲۴-الف کو اس سزا کے ساتھ تول سکتے ہو!

میں اس دردانگیز اور جانکاہ حقیقت سے انکار نہیں کرتا کہ اس انقلاب حالت کے ذمہ دار خود مسلمان ہی ہیں انہوں نے اسلامی زندگی کے تمام خصائص کھو دیئے اور ان کی جگہ غلامانہ زندگی کے تمام رذائل قبول کر لئے۔ ان کی

موجودہ حالت سے بڑھ کر دنیا میں اسلام کیلئے کوئی فتنہ نہیں جبکہ میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں، تو میرا دل شرمندگی کے غم سے پارہ پارہ ہو رہا ہے کہ اسی ہندوستان میں وہ مسلمان بھی موجود ہیں جو اپنی ایمانی کمزوری کی وجہ سے علانیہ ظلم کی پرستش کر رہے ہیں!

یا آزادی یا موت

لیکن انسانوں کی بدعملی سے کسی تعلیم کی حقیقت نہیں جھٹلائی جا سکتی۔ اسلام کی تعلیم اس کی کتاب میں موجود ہے۔ وہ کسی حال میں بھی جائز نہیں رکھتی کہ آزادی کھو کر مسلمان زندگی بسر کریں۔ مسلمانوں کو مٹ جانا چاہیئے۔ یا آزاد رہنا چاہیئے تیسری راہ اسلام میں کوئی نہیں۔

اسی لئے میں نے آج سے بارہ سال پہلے "الہلال" کے ذریعہ مسلمانوں کو یاد دلایا تھا کہ آزادی کی راہ میں قربانی و جان فروشی ان کا قدیم اسلامی ورثہ ہے ان کا اسلامی فرض یہ ہے کہ ہندوستان کی تمام جماعتوں کو اس راہ میں اپنے پیچھے چھوڑ دیں۔ میری صدائیں بیکار نہ گئیں۔ مسلمانوں نے اب آخری فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی بھائیوں کے ساتھ مل کر اپنے ملک کو غلامی سے نجات دلائیں گے۔

مسئلہ خلافت و پنجاب

(۱۰) میں یہاں گورنمنٹ کی ان ناانصافیوں کا افسانہ نہیں چھیڑوں گا جو

مسئلہ "خلافت" اور مظالم "پنجاب" کا عالمگیر افسانہ ہیں۔ لیکن میں اقرار کروں گا کہ گزشتہ دو سال کے اندر کوئی صبح و شام مجھ پر ایسی نہیں گزری ہے جس میں میں نے "خلافت" اور "پنجاب" کے لئے گورنمنٹ کے مظالم کا اعلان نہ کیا ہو۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے ہمیشہ یہ کہا ہے۔ جو گورنمنٹ اسلامی خلافت کو پامال کر رہی ہو اور مظالم پنجاب کے لئے کوئی تلافی اور شرمندگی نہ رکھتی ہو، ایسی گورنمنٹ کے لئے کسی ہندوستانی کے دل میں وفاداری نہیں ہو سکتی۔ گورنمنٹ کی جگہ وہ ایک فریق محارب کی حیثیت رکھتی ہے۔

میں نے ۱۳ دسمبر ۱۹۱۸ء کو جب میں رانچی میں گورنمنٹ آف انڈیا کے حکم سے نظر بند تھا، لارڈ چیمسفورڈ کو ایک مفصل چٹھی لکھی تھی۔ اس میں واضح کر دیا تھا کہ خلافت اور جزیرۃ العرب کے بارے میں اسلامی احکام کیا ہیں؟ میں نے لکھا تھا کہ اگر برٹش گورنمنٹ اسلامی خلافت اور اسلامی ممالک پر خلاف وعدہ متصرف ہو گئی، تو اسلامی قانون کی رو سے ہندوستان کے مسلمان ایک انتہائی کشمکش میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ان کے لئے صرف دو ہی راہیں رہ جائیں گی۔ یا اسلام کا ساتھ دیں یا برٹش گورنمنٹ کا۔ وہ مجبور ہوں گے کہ اسلام کا ساتھ دیں۔

بالآخر وہی ہوا۔ گورنمنٹ صریح وعدہ خلافی سے باز نہ رہی۔ اس وعدہ کا بھی ایفا ضروری نہ سمجھا گیا جو گورنمنٹ آف انڈیا نے ۲۔ نومبر ۱۹۱۴ء کے اعلان میں کیا تھا، اور وہ وعدہ بھی فریب وقت ثابت ہوا جو مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے ۵۔ جنوری ۱۹۱۸ء کو ہاؤس آف کامنس کی تقریر میں کیا تھا۔ شریف آدمیوں کے لئے وعدہ خلافی عیب ہے، لیکن طاقتور حکومتوں کے لئے کوئی بات بھی عیب نہیں ہے!

اس حالت نے مسلمانوں کے لئے آخری درجہ کی کشمکش پیدا کر دی۔ مسلمانوں

قانون کی رو سے کم از کم بات جوان کے فرائض میں داخل تھی، یہ تھی کہ ایسی گورنمنٹ کی اعانت اور کوآپریشن سے ہاتھ کھینچ لیں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ اُس وقت تک اسپر قائم رہیں گے، جب تک اُنہیں اپنا مذہب اور مذہب کے اٹل احکام عزیز ہیں۔

مسلمانوں کو یقین ہو گیا ہے کہ اگر وہ حق و انصاف چاہتے ہیں تو اس کی راہ صرف ایک ہی ہے۔ سوارج کا حصول یعنی ایسی قومی گورنمنٹ کا حصول جو ہندوستانیوں کی ہو ہندوستان میں ہو، اور ہندوستان کے لئے ہو۔

اگر ظلم نہیں تو کیا عدل ہے؟

(۱۱) غرضکہ اس بارے میں میرا اقرار بالکل صاف اور واضح ہے۔ موجودہ گورنمنٹ محض ایک ناجائز بیوروکریسی ہے، وہ کروڑوں انسانوں کی مرضی اور خواہش کے لئے محض نفی ہے، وہ ہمیشہ انصاف اور سچائی پر پرسٹیج کو ترجیح دیتی ہے، وہ جلیانوالہ باغ امرتسر کا وحشیانہ قتل عام جائز رکھتی ہے، وہ انسانوں کے لئے اس حکم میں کوئی ناانصافی نہیں مانتی کہ چارپایوں کی طرح پیٹ کے بل چلائے جائیں، وہ بے گناہ لڑکوں کو صرف اس لئے تازیانے کی ضرب سے بے ہوش ہو جانے دیتی ہے کہ کیوں ایک بت کی طرح "یونین جیک" کو سلام نہیں کرتے؟ وہ تئیں کروڑ انسانوں کی پیہم التجاؤں پر بھی اسلامی خلافت کی پامالی سے باز نہیں آتی، وہ اپنے تمام عہدو کے توڑ دینے میں کوئی عیب نہیں سمجھتی، وہ سمرنا اور تھریس کو صریح نامنصفانہ طور پر یونانیوں کے حوالہ کر دیتی ہے، اور پھر تمام اسلامی آبادی کے قتل وغارت کا

تماشا دیکھتی ہے۔

انصاف کی پامالی میں اُس کی جرأت ان بھٹک اور دلیری بالکل بے باک ہے اور حقیقت کو جھٹلاتے ہوئے اس کے منہ میں کوئی لگام نہیں۔ سمرنا میں ۷۰ فی صدی مسلمانوں کی آبادی ہے، مگر وزیراعظم بغیر کسی شرمندگی کے مسیحی آبادی کی کثرت کا اعلان کر دیتا ہے۔ یونانی حکومت تمام اسلامی آبادی کو خون اور آگ کے سیلاب میں غرق کر دیتی ہے، لیکن وہ بیدھڑک ترکی مظالم کی فرضی داستانیں بیان کرتا رہتا ہے، اور خود انگلستان کے بھیجے ہوئے امریکن کمیشن کی رپورٹ پوشیدہ کر دی جاتی ہے!

پھر نہ تو ان تمام مظالم و جرائم کے لئے اس کے پاس اعتراف ہے، نہ تلافی بلکہ ملک کی جائز اور باامن جد و جہد کو پامال کرنے کے لئے ہر طرح کا جبر و تشدد شروع کر دیا جاتا ہے، اور وہ سب کچھ کیا جاتا ہے جو گزشتہ ایک سال کے اندر ہو چکا ہے، اور ۱۸۔ نومبر سے اس وقت تک ملک کے ہر حصہ میں ہو رہا ہے۔ میں اگر ایسی گورنمنٹ کو "ظالم" اور "یا درست ہو جاؤ یا مٹ جاؤ" نہ کہوں، تو کیا "عادل" اور "نہ درست ہو، نہ مٹو" کہوں؟

کیا صرف اس لئے کہ ظلم طاقتور ہے اور اس کے پاس جیل ہے، اس کا حق دار ہو جاتا ہے کہ اُس کا نام بدل دیا جائے؟ میں اٹلی کے نیک اور حریت پرست جوزف میزینی (MASSINI.) کی زبان میں کہوں گا "ہم صرف اس لئے کہ تمہارے ساتھ عارضی طاقت ہے، تمہاری برائیوں سے انکار نہیں کر سکتے"۔

"جرم" کا قدیم اور ناقابل شمار ارتکاب

(۱۲) میں نہایت متعجب ہوں کہ میرے خلاف صرف یہی دو ناتمام اور ناکافی تقریریں کیوں پیش کی گئی ہیں؟ کیا ان ہزاروں صفحات سے جو میرے قلم سے نکل چکے ہیں، اور ان بے شمار تقریروں سے جن کی صدائیں ہندوستان کے ایک ایک گوشہ میں گونج چکی ہیں، صرف یہی سرمایہ گورنمنٹ بہم پہنچا سکی؟ میں اقرار کرتا ہوں کہ میری کوئی تقریر گذشتہ دو سال کے اندر ایسی نہیں ہوئی ہے جس میں یہ تمام باتیں میں نے بیان نہ کی ہوں۔

میں متصل بارہ سال سے اپنی قوم و ملک کو آزادی و حق طلبی کی تعلیم دے رہا ہوں میری ۱۸ برس کی عمر تھی جب میں نے اس راہ میں تقریر و تحریر شروع کی۔ میں نے زندگی کا بہترین حصہ یعنی عہد شباب صرف اسی مقصد کے عشق میں قربان کر دیا ہے اسی کی خاطر چار سال تک نظر بند رہا، مگر نظر بندی میں بھی میری ہر صبح و شام اسی کی تعلیم و تبلیغ میں بسر ہوئی "رانچی" کے در و دیوار اس کی شہادت دے سکتے ہیں۔ جہاں میں نے نظر بندی کا زمانہ بسر کیا ہے۔ یہ تو میری زندگی کا دائمی مقصد ہے میں صرف اسی ایک کام کے لئے جی سکتا ہوں:

ان صلاتی، ونسکی، ومحیای، ومماتی للہ رب العالمین!

آخری اسلامی تحریک

(۱۳) میں اس "جرم" سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں جبکہ میں ہندوستان کی اس آخری "اسلامی تحریک" کا داعی ہوں، جس نے مسلمانان ہند کے پولیٹکل مسلک میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اور بالآخر وہاں تک پہنچا دیا جہاں آج نظر آ رہے ہیں۔

یعنی اُن میں سے ہر فرد میرے اس جرم میں شریک ہو گیا ہے۔ میں نے ۱۹۱۲ء میں ایک اُردو جرنل "الہلال" جاری کیا جو اس تحریک کا آرگن تھا، اور جس کی اشاعت کا تمام تر مقصد یہی تھا جو اوپر ظاہر کر چکا ہوں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ الہلال نے تین سال کے اندر مسلمانانِ ہند کی مذہبی اور سیاسی حالت میں ایک بالکل نئی حرکت پیدا کر دی۔ پہلے وہ اپنے ہندو بھائیوں کی پولٹیکل سرگرمیوں سے نہ صرف الگ تھے، بلکہ اس کی مخالفت کے لئے بیوروکریسی کے ہاتھ میں ایک ہتھیار کی طرح کام دیتے تھے۔ گورنمنٹ کی تفرقہ انداز پالیسی نے انہیں اس فریب میں مبتلا کر رکھا تھا کہ ملک میں ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے، ہندوستان اگر آزاد ہو گیا تو ہندو گورنمنٹ قائم ہو جائے گی۔ مگر الہلال نے مسلمانوں کو تعداد کی جگہ ایمان پر اعتماد کرنے کی تلقین کی، اور بے خوف ہو کر ہندوؤں کے ساتھ مل جانے کی دعوت دی۔ اسی سے وہ تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کا نتیجہ آج متحدہ تحریک خلافت و سوراج ہے۔ بیوروکریسی ایک ایسی تحریک کو زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے پہلے الہلال کی ضمانت ضبط کی گئی۔ پھر جب "البلاغ" کے نام سے دوبارہ جاری کیا گیا تو سنہ ۱۹۱۶ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے مجھے نظر بند کر دیا۔

میں بتلانا چاہتا ہوں کہ "الہلال" تمام تر "آزادی یا موت" کی دعوت تھی اسلام کی مذہبی تعلیمات کے متعلق اس نے جس مسلک بحث و نظر کی بنیاد ڈالی

اس کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے۔ صرف اس قدر اشارہ کروں گا کہ ہندوؤں میں آج مہاتما گاندھی مذہبی زندگی کی جو روح پیدا کر رہے ہیں، الہلال اس کام سے ۱۹۱۴ء میں فارغ ہو چکا تھا۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی نئی اور انقلاب انگیز سرگرمی اسی وقت شروع ہوئی، جب دونوں میں مغربی تہذیب کی جگہ مذہبی تعلیم کی تحریکیں نے پوری طرح فروغ پا لیا۔

خلافت کانفرنس کلکتہ

(۱۴) چار سال کے بعد پہلی جنوری ۱۹۲۰ء کو میں رہا کیا گیا۔ اس وقت سے گرفتاری کے لمحہ تک، میرا تمام وقت انہی مقاصد کی اشاعت و تبلیغ میں صرف ہوا ہے۔ ۲۸-۲۹ فروری ۱۹۲۰ء کو اسی کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں خلافت کانفرنس کا جلسہ منعقد ہوا تھا اور مسلمانوں نے مایوس ہو کر اپنا آخری اعلان کر دیا تھا۔

اگر برٹش گورنمنٹ نے مطالبات خلافت کی ایسی ہی شکست نہ کی، تو مسلمان اپنے شرعی احکام کی رو سے مجبور ہو جائیں گے کہ تمام وفادارانہ تعلقات منقطع کر لیں"

میں اس کانفرنس کا پریسیڈنٹ تھا۔

میں نے اس کے طولانی پریسیڈنشل ایڈریس میں وہ تمام امور بہ تفصیل بیان کر دیے تھے جو اس قدر ناقص شکل میں ان دو تقریروں کے اندر دکھلائے گئے ہیں۔

موالات اور فوجی ملازمت

میں نے اسی ایڈریس میں اس اسلامی حکم کی بھی تشریح کر دی تھی جس کی بنا پر

مسلمانوں کا مذہبی فرض ہے کہ موجودہ حالت میں گورنمنٹ سے "ترک موالات" کریں۔ یعنی کواپریشن اور اعانت سے ہاتھ کھینچ لیں۔ یہی "ترک موالات" ہے جو آگے چل کر "نان کواپریشن" کی شکل میں نمودار ہوا، اور مہاتما گاندھی جی نے اس کی سربراہی کی۔

اسی کانفرنس میں فوج کے متعلق وہ رزولیوشن منظور ہوا تھا، جس میں اسلامی قانون کے بموجب مسلمانوں کے لئے فوجی نوکری ناجائز بتلائی گئی تھی۔ کیونکہ گورنمنٹ اسلامی خلافت اور اسلامی ملکوں کے خلاف برسر پیکار ہے۔ کراچی کا مقدمہ اسی رزولیوشن کی بنا پر چلایا گیا۔ میں بار بار اخبارات اور تقریروں میں اعلان کر چکا ہوں کہ یہ رزولیوشن سب سے پہلے میں نے ہی طیار کیا تھا اور میری ہی صدارت میں تین مرتبہ منظور ہوا۔ سب سے پہلے کلکتہ میں۔ پھر بریلی اور لاہور میں۔ پس اس "جرم" کی تعزیر کا بھی پہلا حقدار میں ہی ہوں۔

میں نے اس اڈریس کو مزید اضافہ کے بعد کتاب کی شکل میں بھی مرتب کیا، جو انگریزی ترجمہ کے ساتھ بار بار شائع ہو چکا ہے۔ اور گویا میرے "جرائم" کا ایک تحریری ریکارڈ ہے۔

میری زندگی سرتاسر ۱۲۴ ہے

(۱۵) میں نے گزشتہ دو سال کے اندر تنہا اور مہاتما گاندھی کے ساتھ تمام ہندوستان کا بار بار دورہ کیا۔ کوئی شہر ایسا نہیں ہے جہاں میں نے خلافت، پنجاب، سوراج، اور نان کواپریشن پر بار بار تقریریں نہ کی ہوں، اور وہ تمام باتیں نہ کہی ہوں جو میری ان دو تقریروں میں دکھلائی گئی ہیں۔

دسمبر ۱۹۲۰ء میں انڈین نیشنل کانگرس کے ساتھ آل انڈیا خلافت کانفرنس کا بھی اجلاس ہوا، اپریل ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ العلماء کا بریلی میں جلسہ ہوا، گزشتہ اکتوبر میں یو۔ پی پراونشیل خلافت کانفرنس آگرہ میں منعقد ہوئی، نومبر میں آل انڈیا علماء کانفرنس کا لاہور میں اجلاس ہوا۔ ان تمام کانفرنسوں کا بھی میں ہی صدر تھا۔ لیکن ان میں بھی تمام مقررین نے جو کچھ کہا، اور صدارتی تقریروں میں میں نے جو خیالات ظاہر کئے اُن سب میں وہ تمام باتیں موجود تھیں، جو ان دو تقریروں میں دکھلائی گئی ہیں۔ بلکہ میں اقرار کرتا ہوں کہ ان سے بہت زیادہ قطعی و واضح خیالات ظاہر کئے گئے تھے!

اگر میری ان دو تقریروں کے مطالب دفعہ ۱۲۴۔ الف کا جرم ہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ صرف پہلی اور پندرہویں جولائی ہی کا ارتکاب کیوں منتخب کیا گیا ہے؟ میں تو اس کثرت کے ساتھ اس کا ارتکاب کر چکا ہوں کہ فی الواقع اس کا شمار میرے لئے ناممکن ہو گیا ہے۔ مجھے کہنا پڑے گا کہ میں نے گزشتہ سالوں کے اندر بجز ۱۲۴۔ الف کے اور کوئی کام ہی نہیں کیا!

نان وائلینس نان کوآپریشن

(۱۶) ہم نے آزادی اور حق طلبی کی اس جنگ میں "نان وائلینس نان کوآپریشن" کی راہ اختیار کی ہے۔ ہمارے مقابلے میں طاقت اپنے تمام جبر و تشدد اور خونریز وسائل کے ساتھ کھڑی ہے لیکن ہمارا اعتماد صرف خدا پر ہے اور اپنی غیر مختتم قربانی اور غیر متزلزل استقامت پر۔ مہاتما گاندھی کی طرح میرا یہ اعتقاد نہیں ہے

کسی حال میں بھی ہتھیار کا مقابلہ ہتھیار سے نہیں کرنا چاہیئے۔ اسلام نے جن حالتوں میں اس کی اجازت دی ہے میں اسے فطرۃ الٰہی اور عدل و اخلاق کے مطابق یقین کرتا ہوں، لیکن ساتھ ہی ہندوستان کی آزادی اور موجودہ جدوجہد کے لئے مہاتما گاندھی کے تمام دلائل سے متفق ہوں، اور اُن دلائل کی سچائی پر پورا اعتقاد رکھتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ ہندوستان **نان وائلینس جدوجہد کے ذریعہ فتح مند ہوگا اور اس کی فتح مندی اخلاقی و ایمانی طاقت کی فتح مندی کی ایک یادگار مثال ہوگی۔**

یہی وجہ ہے کہ میں نے ہمیشہ لوگوں کو باامن جدوجہد کی تلقین کی اور اس کو کامیابی کی سب سے پہلی شرط قرار دیا۔ خود یہ تقریریں بھی اسی موضوع پر تھیں جیسا کہ پیش کردہ نقول سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ میں اُن چند مسلمانوں میں سے ہوں جو بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر انہوں نے نہایت مضبوطی کے ساتھ مسلمانوں کو باامن جدوجہد پر قائم نہ رکھا ہوتا، تو نہیں معلوم، مسئلۂ خلافت کی وجہ سے ان کا صبر آزما اضطراب کیسی خوفناک شکل اختیار کرلیتا؟ کم از کم ہندوستان کے ہر حصہ میں ایک "مالیبار" کا منظر تو ضرور نظر آجاتا۔

سی-آئی-ڈی کے رپورٹرز

(۱۷) اب جبکہ میں ان دو تقریروں کے تمام اُن حصوں کا اقرار کرچکا ہوں جن سے

پر استغاثہ استدلال کر سکتا ہے، تو کوئی مضائقہ نہیں، اگرچہ الفاظ ان کی پیش کردہ صورت کی نسبت بھی کہدوں۔

سی۔ آئی۔ ڈی کے گواہوں نے بیان کیا ہے کہ میری تقریروں کے نوٹس بھی لئے گئے اور مختصر نویسی کے ذریعہ بھی قلمبند کی گئیں جو کاپی داخل کی گئی ہے (اگزیبٹ اے۔ اور۔ سی) وہ مختصر نویس کی مرتب کی ہوئی ہے، لیکن یہ میری تقریروں کی ایک ایسی مسخ شدہ صورت ہے کہ اگرچہ بعض اوراق اقتباسات کی طرف اشارہ ضرور ہوتا ہے میرے لئے شناخت کرنا بھی بہت مشکل تھا۔ وہ بلاشبہ ایک چیز ہے جو دور تک پھیلتی ہوئی چلی گئی ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ کیا چیز ہے؟ محض بے جوڑ، بے تعلق، اور اکثر حالتوں میں بے معنی جملے ہیں، جو بغیر کسی ربط اور سلسلہ کے صفحوں پر بکھیر دئے ہیں گرامر اور محاورہ دونوں سے انہیں یکقلم انکار ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ رپورٹر تقریر سمجھنے اور قلمبند کرنے سے عاجز تھا۔ اس لئے درمیان سے جملوں کے جملے چھوڑتا جاتا ہے، اور تمام حروف ربط و تعلیل تو بالکل ہی حذف کر دئے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تمام وہ الفاظ جن کی آواز یا اسپلنگ (املا) میں ذرا سا بھی تشابہ ہے، بالکل ہی بدل گئے ہیں اور عبارت یا تو بے معنی ہو گئی ہے یا محرف۔

مثلاً میں نے یکم جولائی کی تقریر میں مشہور فرنچ شاعر اور ادیب وکٹر ہیوگو کا قول نقل کیا تھا:

"آزادی کا بیج کبھی بار آور نہیں ہو سکتا جب تک ظلم کے پانی سے اس کی آبیاری نہ ہو"

مختصر نویس نے "ظلم" کی جگہ "دھرم" لکھ دیا ہے جو صریح غلط اور

بے موقعہ ہے۔ البتہ اس کی آواز "ظلم" سے مشابہ ہے۔

اسی طرح ایک مقام پر ہے:

"انھوں نے جیل خانے کی مصیبت کو برباد کیا ہے"

حالانکہ مصیبت کو برباد کرنے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ غالباً میں نے "برداشت کیا ہے" کہا ہوگا۔ یعنی انھوں نے جیل کی مصیبت جھیل لی ہے۔ چونکہ دونوں لفظوں کی آواز ملتی جلتی ہے اور مختصر نویس خود فہم و امتیاز سے محروم ہے، اس لئے "برداشت" کی جگہ "برباد" لکھ گیا!

اُردو مختصر نویسی

اصل یہ ہے کہ اُردو مختصر نویسی کا قاعدہ اور مختصر نویسی کی ناقابلیت دونوں اس نقص کے لئے ذمہ دار ہیں، اُردو مختصر نویسی کا قاعدہ ۱۹۰۵ء میں کرسچین کالج لکھنؤ کے دو پروفیسروں نے ایجاد کیا۔ جن میں سے ایک کا نام مرزا محمد ہادی بی۔ اے ہے، میں اُس وقت لکھنؤ ہی میں تھا، اس لئے مجھے ذاتی طور پر اُس کے دیکھنے اور موجدوں سے گفتگو کرنے کا بارہا اتفاق ہوا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کے موجدوں نے انگریزی علامات کو بہت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ منتقل کر لیا ہے لیکن وہ اُردو حروف و املا کو پوری طرح محفوظ کر دینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ خود انہیں بھی اس نقص کا ایک حد تک اعتراف تھا۔ لیکن وہ خیال کرتے تھے کہ مختصر نویس کی ذاتی قابلیت اور حافظہ و مناسبت سے اس کی تلافی ہو جائے گی، میں اپنے ذاتی معلومات کی بنا پر کہتا ہوں کہ تجربے سے ان کا خیال درست نہ نکلا۔

صوبجات متحدہ کی گورنمنٹ نے ابتدائی تجربے کے لئے دو پولیس سب انسپکٹروں کو تعلیم دلائی تھی۔ انھوں نے سب سے پہلے آزمائشی طور پر جن پبلک

تقریروں کو قلمبند کیا، میں بتلانا چاہتا ہوں کہ وہ میری اور شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی تقریریں تھیں۔ ہم دونوں نے انجمن اسلامیہ بریلی کے سالانہ جلسے میں لکچر دئے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا شبلی نے فی منٹ ساٹھ لفظوں کی رفتار سے تقریر کی تھی، اور میری تقریر فی منٹ ۰ ۸ سے ۹۰ تک تھی جیسا کہ خود مختصر نویسوں نے ظاہر کیا تھا، ظاہر ہے کہ یہ کوئی تیز رفتار نہ تھی۔ تاہم جب انہوں نے اپنا کام مرتب کر کے دکھلایا تو بالکل ناقص اور غلط تھا۔ اس کے بعد بھی مجھے بارہا اپنی تقریروں کے قلمبند کرانے کا اتفاق ہوا، لیکن ہمیشہ ایسا ہی نتیجہ نکلا۔ ابھی حال کی بات ہے کہ خلافت کانفرنس آگرہ میں میرا زبانی پریزیڈینشل ایڈرس ایک مشاق مختصر نویس سید غلام حسنین نے قلمبند کیا جو عرصہ تک یو پی کے محکمہ سی۔ آئی۔ ڈی میں کام کرنے کے بعد مستعفی ہوا ہے لیکن جب لانگ ہینڈ میں مرتب کر کے مجھے دکھلایا گیا تو اس کا کوئی حصہ صحیح اور مکمل نہ تھا۔

یہ تو اصل قاعدہ کا نقص ہے، لیکن جب اس پر مختصر نویس کی ناقابلیت کا بھی اضافہ ہو جائے، تو پھر کوئی خرابی ایسی نہیں ہے جس سے انسانی تقریر مسخ نہ کی جا سکے۔ کلکتہ اور بنگال کی مخصوص حالت نے اس نقص کو اور زیادہ پُرمصیبت بنا دیا ہے۔ یہاں کے دیسی اور یوروپین افسر خود اُردو زبان سے بالکل واقفیت نہیں رکھتے حتیٰ کہ معمولی طور پر بول بھی نہیں سکتے۔ ان کے نزدیک ہر وہ آدمی جو انگریزی زبان سے کسی مختلف لہجہ میں آواز نکالے، اُردو کا اہل ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ پولیس اور عدالت ان رپورٹروں اور مختصر نویسوں کو بطور سند کے استعمال کر رہی ہے، جن بیچاروں کی استعداد پر ہمیشہ ہم لوگ تمسخر کیا کرتے ہیں۔

میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کلکتہ کی پولیس اور عدالتوں میں ایک شخص بھی اُردو زبان کے لئے قابل اعتماد

نہیں ہے۔ اگر یہاں اس حقیقت کا کچھ بھی احساس ہوتا تو صرف یہی بات بطور ایک عجیب واقعہ کے خیال کی جاتی کہ میری تقریروں کے لئے پولیس اور سی آئی ڈی کے غریب رپورٹروں کی شہادت لی جارہی ہے! میں تسلیم کرتا ہوں کہ کم از کم یہ منظر ضرور میرے لئے تکلیف دہ ہے!

مشرقی لٹریچر اور سرکاری وسائل علم

یہ کہنا ضروری نہیں کہ میں اپنے ڈیفنس کی غرض سے ان شہادتوں کی بے اعتباری ثابت نہیں کررہا ہوں۔ میں تو پورا پورا اقرار کرچکا۔ مقصود صرف دو باتوں کا اظہار ہے:

اولاً: جو سرکاری مقدمات اُردو تقریر و تحریر کی بنا پر چلائے جاتے ہیں ان کے وسائل ثبوت کس درجہ ناکارہ اور ناقابل اعتماد ہیں؟

ثانیاً ہندوستان کی بیوروکریسی کی ناکامیابی اور ناموافقت۔ وہ ڈیڑھ سو برس تک حکومت کر کے بھی اس قابل نہیں ہوئی کہ ہندوستانی زبانوں کے متعلق صحیح اور درست ذرائع سے معلومات حاصل کرسکتی۔ مجھے یاد ہے کہ جب اکتوبر ۱۹۱۶ء میں نظر بند کیا گیا، اور بہار گورنمنٹ کے محکمہ اور پولیس افسر (جن کو اُردو زبان سے بہ نسبت بنگال زیادہ تعلق ہے) تلاشی کے لئے آئے تو انہوں نے میری تمام کتابوں کو بھی ایک خوفناک لٹریچر سمجھ کر نہایت احتیاط کے ساتھ قبضہ میں کرلیا۔ یہ تمام کتابیں عربی اور فارسی زبان میں تھیں، اور تاریخ، فقہ، فلسفہ کا معمولی مطبوعہ ذخیرہ تھا۔ جو بازاروں میں فروخت ہوتا رہتا ہے۔ صرف ایک کتاب "مطالب عالیہ" نامی قلمی تھی جو سب سے زیادہ پُراسرار سمجھی گئی۔ لطف یہ ہے کہ ان کی فہرست ڈپٹی کمشنر کی درخواست سے مجھے بھی

مرتب کرنی پڑی۔ کیونکہ تفتیش جرائم کے اس پورے
کمیشن میں ایک شخص بھی اس قابل نہ تھا کہ کتابوں کے
ٹائٹل پیج کو صحت کے ساتھ پڑھ لیتا!

میں نے نظر بندی کے زمانے میں چار سال تک اپنی ڈاک کے لئے
خود ہی سنسر شپ کے فرائض بھی انجام دئے ہیں، کیونکہ جو سرکاری
افسر اس غرض سے مقرر کیا گیا تھا، وہ اس قدر قابل آدمی تھا کہ اردو
کے معمولی لکھے ہوئے خطوط بھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔ وہ اکثر میری
ڈاک صرف دستخط کر کے بھیج دیتا اور شب کو آکر مجھ سے اس کا ترجمہ
لکھوا لیتا!

جبکہ نظر بندی میں میں اپنی ڈاک کی خود ہی نگرانی کر رہا تھا تو شملہ اور دہلی کے
حکام اپنی کارگزاری پر نہایت نازاں تھے اور سمجھتے تھے کہ انہوں نے اپنے ایک
خطرناک دشمن کو بالکل مجبور اور معطل کر دیا ہے!

اس وقت بھی میرے قلمی مسودات کلکتہ پولیس کے
قبضے میں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ خوفناک جرم "تاریخ
تفسیر قرآن" اور لٹریچر ہے!

میں یہاں عربی داں اشخاص کی دلچسپی کے لئے ان کتابوں کے چند نام درج
کر دیتا ہوں، جنہیں نہایت خوفناک سمجھ کر پولیس نے شملہ بھیجا تھا، اور عرصہ
تک سر چارلس کلیولینڈ کے حکم سے میری نظر بندی کے دیگر معاملات کی طرح
ان کی بھی تحقیقات ہوتی رہی:۔

فتح القدیر شرح ہدایہ۔ طبقات الشافعیہ سبکی۔ ازالۃ الخفا۔ کتاب الام۔
مدونۂ امام مالک۔ مطالب عالیہ امام رازی۔ شرح حکمۃ الاشراق۔ شرح مسلم الثبوت

بحر العلوم - کتاب المستصفی - کتاب اللمع -

اصل یہ ہے کہ کسی جرم کے لئے جو لٹریچر سے تعلق رکھتا ہو، کوئی ایسی عدالت منصفانہ کارروائی نہیں کرسکتی جو قانونی طور پر ایسے قائم تو کر سکے۔ یعنی خود اس زبان سے واقف نہ ہو۔ لیکن موجودہ ہو۔ کہ ایسی علاوہ ہو، وکیسی ہونے کے غیر ملکی بھی ہے، اس لئے ہر گوشہ میں اجنبی اقتدار کی غلامی کے نتائج کام کر رہے ہیں۔ عدالتیں ہندوستان کی ہیں، ہندوستانیوں کے لئے ہیں، لیکن ان کی زبان جزیرۂ بیگانہ کی ہے، اور اکثر عدالتوں میں ایسے افراد سے مرکب ہیں جو ملکی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتے!

یہی وجہ ہے کہ اب ہم اس گورنمنٹ سے اور کچھ نہیں چاہتے۔ صرف یہ چاہتے ہیں کہ جس قدر بھی جلد ممکن ہو، وہ اپنے سے بہتر اور حقدار کے لئے اپنی جگہ خالی کر دے

موجودہ حالت قدرتی ہے

(۱۸) میں جیسا کہ ابتدا میں لکھ چکا ہوں، خاتمۂ سخن میں بھی دہراؤں گا۔ آج گورنمنٹ جو کچھ ہمارے ساتھ کر رہی ہے، وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے جس کے لئے خاص طور پر اُسے ملامت کی جائے۔ قومی بیداری کے مقابلے میں مقاومت اور جبر و تشدد تمام قابض حکومتوں کے لئے طبیعت ثانیہ (سیکنڈ نیچر) کا حکم رکھتا ہے، اور ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ ہماری خاطر انسانی طبیعت بدل دی جائے گی۔

یہ قدرتی کمزوری افراد اور جماعت، دونوں میں یکساں طور پر نمود رکھتی ہے دنیا میں کتنے آدمی ہیں جو اپنے قبضہ میں آئی ہوئی چیز صرف اس لئے لوٹا دیں گے کہ وہ اس کے حق دار نہیں؟ پھر ایک پورے برِ اعظم کے لئے ایسی توقع کیونکر کی جاسکتی ہے؟ طاقت کبھی کسی بات کو صرف اس لئے نہیں مان لیتی کہ وہ معقول اور مدلل ہے۔ وہ تو خود بھی طاقت کی نمود کا انتظار کرتی ہے۔ اور جب وہ نمودار ہو جاتی ہے تو پھر ناواجب سے ناواجب مطالبہ کے آگے بھی جھک جاتی ہے۔ پس کشمکش اور انتظار ناگزیر ہے، اور ایک ایسی قدرتی بات ہے جس کو بالکل دنیا کے معمولی اور روزمرہ کاموں کی طرح بلا کسی تعجب و شکایت کے انجام پانا چاہئے۔

میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ تاریخ نے اس بارے میں انسانی ظلم و تعدی کے جو ہیبت ناک مناظر دکھلائے ہیں، ان کے مقابلہ میں موجودہ جبر و تشدد کسی طرح بھی زیادہ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کمی اس لئے ہے کہ ابھی ملک کا جذبۂ قربانی ناتمام ہے، یا اس لئے ہے کہ ظلم زیادہ مکمل نہیں؟ مستقبل اس کو واضح کردے گا۔

جس طرح اس کشمکش کا آغاز ہمیشہ یکساں طور پر ہوا ہے، اسی طرح خاتمہ بھی ایک ہی طرح ہوا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اگر ہمارا جذبۂ آزادی و حق طلبی سچا اور اٹل ثابت ہوا، تو یہی گورنمنٹ جو آج ہمیں مجرم ٹھہرا رہی ہے، کل کو فتح مند محب الوطنوں کی طرح ہمارے استقبال پر مجبور ہوگی!

بغاوت

(۹) مجھ پر سڈیشن کا الزام عائد کیا گیا ہے، لیکن مجھے "بغاوت" کے معنی

سمجھ لینے دو کیا "بغاوت" آزادی کی اُس جدوجہد کو کہتے ہیں جو ابھی کامیاب نہیں ہوئی ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں اقرار کرتا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی یاد دلاتا ہوں کہ اسی کا نام قابلِ احترام حب الوطنی بھی ہے۔ جب وہ کامیاب ہو جائے کل تک آیرلینڈ کے مسلح لیڈر باغی تھے، لیکن آج ڈی ویلرا اور گریفتھ کے لئے برطانیہ عظمیٰ کونسا لقب تجویز کرتی ہے؟

اسی آیرلینڈ کے پارنل (PARNEL) نے ایک مرتبہ کہا تھا: "ہمارا کام ہمیشہ ابتداء میں بغاوت اور آخر میں حب الوطنی کی مقدس جنگ تسلیم کیا گیا ہے۔"

قانون "قضا بالحق"

(۲۰) میں مسلمان ہوں، اور میرے یقین کے لئے وہ بس کرتا ہے جو میری کتاب شریعت نے بتلایا ہے۔ قرآن کہتا ہے جس طرح مادہ اور اجسام میں انتخاب طبیعی (NATURAL SALECTION) اور بقاء اصلح (SURVIVAL OF THE FITTEST) کا قانون جاری ہے اور فطرت صرف اسی وجود کو باقی رہنے دیتی ہے جو صحیح و صالح ہو۔ ٹھیک اسی طرح تمام عقائد و اعمال میں بھی یہی قانون کام کر رہا ہے۔ آخری فتح اسی عمل کی ہوتی ہے جو حق اور سچ ہو، اور اس لئے باقی و قائم رہنے کا حقدار ہو۔ پس جب کبھی انصاف اور ناانصافی میں مقابلہ ہوگا، تو آخری جیت انصاف ہی کے حصے میں آئیگی: واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض کذٰلک یضرب اللّٰہ الامثال۔ (۱۳: ۱۸) زمین پر وہی چیز باقی رہے گی جو نافع ہو غیر نافع چھانٹ دی جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کی اصطلاح میں سچائی کا نام "حق" ہے، جس کے معنی جم جانے اور ثابت ہو جانے کے ہیں۔ اور جھوٹ اور بدی کا نام باطل ہے، جس کے

ہی مٹ جانے کے لیے ہے۔ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوقًا باطل تو صرف اسی لیے ہے کہ مٹ جائے!

پس آج جو کچھ ہو رہا ہے اس کا فیصلہ کل ہوگا۔ انصاف باقی رہیگا۔ ناانصافی مٹ جائیگی۔ ہم مستقبل کے فیصلہ پر ایمان رکھتے ہیں!

البتہ یہ قدرتی بات ہے کہ بدلیوں کو دیکھکر بارش کا انتظار کیا جائے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ موسم نے تبدیلی کی تمام نشانیاں قبول کرلی ہیں۔ افسوس ان آنکھوں پر جو نشانیوں سے انکار کریں!

میں نے اپنی تقریروں میں جو میرے خلاف داخل کی گئی ہیں کہا تھا "آزادی کا بیج کبھی بارور نہیں ہو سکتا جب تک جبر و تشدد کے پانی سے اسکی آبیاری نہ ہو" لیکن گورنمنٹ نے آبیاری شروع کردی ہے!

میں نے انہی میں کہا تھا کہ "مجاہدین خلافت کی گرفتاریوں پر کیوں مغموم ہو؟ اگر تم فی الحقیقت انصاف اور آزادی کے طلبگار ہو تو جیل جانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ علی پور کا جیل اس طرح بھر جائے کہ اسکی کوٹھڑیوں میں چوروں کے لئے جگہ باقی نہ رہے" فی الحقیقت جگہ باقی نہیں رہی ہے۔ پریسیڈنسی اور سنٹرل جیل کا بڑا حصہ معمولی قیدیوں سے خالی کردیا گیا۔ پھر بھی جگہ کافی نہ ہوئی۔ نیا جیل بنایا گیا وہ بھی آناً فاناً بھر گیا۔ جگہ نکالنے کے لئے سیکڑوں قیدی رہا کر دیئے گئے۔ لیکن ان سے دوگنے نئے آگئے۔ اب مزید نئے جیل بنائے جا رہے ہیں!

سرکاری وکیل، پولیس اور مجسٹریٹ

(۲۱) قبل اسکے کہ میں اپنا بیان ختم کروں اپنے ان ہم وطن بھائیوں کی نسبت بھی ایک دو جملے کہوں گا جو اس مقدمہ میں میرے خلاف کام کر رہے ہیں۔ میں نے اوپر کہیں کہا ہے کہ "سی۔ آئی۔ ڈی کا کام جہالت اور شرارت دونوں سے مرکب ہوتا ہے" یہ میں نے اس ذاتی علم کی بنا پر کہا جو بیشمار مقدمات کی نسبت مجھے حاصل ہے تاہم میں تسلیم

کرتا ہوں کہ سی۔ آئی۔ ڈی کے جن آدمیوں نے میرے خلاف شہادت دی ہے
انھوں نے بجز اس اعتماد کے سوا جو اپنے کام پر ظاہر کیا ہے کوئی بات بھی غلط نہیں کہی ہے
میری تقریریں جو پیش کی گئی ہیں، اُن میں بھی کوئی بات شرارت کی نہیں پائی
جسقدر ان کے اغلاط اور نقائص ہیں غالباً صرف ناقابلیت کا نتیجہ ہیں بعض بعض
مقامات ایسے ضرور ہیں جن کی نسبت خیال کیا جا سکتا ہے کہ دانستہ تحریف کر کے بگاڑے
ہیں، مثلاً جہاں جہاں میں نے لوگوں کو امن رہنے، ہڑتال نہ کرنے، ہر طرح کے
مظاہرات سے مجتنب رہنے کی تلقین کی ہے، وہ بقیہ حصوں سے بھی زیادہ ادھورے
ہوئے اور بے ربط ہیں۔ متعدد مقامات پر "امن" کو "ایمان" کر دیا ہے جو بالکل
بے ربط ہے۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی قاعدہ کے نقص اور ذاتی ناقابلیت کا نتیجہ
ہے نہ کہ شرارت سے۔

البتہ میرا یقین ہے کہ اُنھوں نے اپنے کام پر جو اعتماد ظاہر کیا ہے اور جس غرض سے
یہ کام انجام دیا ہے وہ ضرور معصیت ہے، لیکن ساتھ ہی مجھے ان کی کمزوری بھی
معلوم ہے وہ محض چند روپیوں کی نوکری کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں اور اتنا قوی ضمیر
نہیں رکھتے کہ سچائی کو ہر بات پر ترجیح دیں۔ پس میرے دل میں ان کیلئے کوئی رنج
اور ملامت نہیں ہے۔ میں اس کام کے لئے اُنھیں معاف کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں
کہ خدا بھی معاف کر دے

پبلک پراسکوٹر بھی جو ان مقدمات میں کام کر رہا ہے میرا ایک ہموطن بھائی ہے اسکی
ضمیر بارات میرے سامنے نہیں ہے محض مزدوری ہے، جو اس کام کے لیے وہ گورنمنٹ
سے حاصل کرتا ہے پس اسکی طرف سے بھی میرے دل میں کوئی رنج نہیں البتہ میں ان سب کے لئے
وہی دعا مانگوں گا جو پیغمبر اسلام نے ایک موقع پر مانگی تھی: "خدایا ان پر راہ کھولدے
کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں؟"

فاقض ما انت قاض!

میں مجسٹریٹ کی نسبت بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ سزا جو اس کے اختیار میں ہے بلا تامل مجھے دیدے۔ مجھے شکایت یا رنج کا کوئی احساس نہ ہوگا۔ میرا معاملہ مشینری سے ہے کسی ایک پرزے سے نہیں ہے۔ **میں جانتا ہوں کہ جبتک مشین نہیں بدلیگی پرزے اپنا فعل نہیں بدل سکتے۔**

میں اپنا بیان اٹلی کے قتیل صداقت گارڈینو برونو کے لفظوں پر ختم کرتا ہوں جو میری ہی طرح عدالت کے سامنے کھڑا کیا گیا تھا: "زیادہ سے زیادہ سزا جو دی جا سکتی ہے بلا تامل دیدو۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ سزا کا حکم لکھتے ہوئے جس قدر جنبش تمہارے دل میں پیدا ہوگی اس کا عشر عشیر اضطراب بھی سزا سن کر میرے دل کو نہ ہوگا"

خاتمہ

مسٹر مجسٹریٹ اب میں اور زیادہ وقت کورٹ کا نہ لونگا۔ یہ تاریخ کا ایک دلچسپ اور عبرت انگیز باب ہے جسکی ترتیب میں ہم دونوں یکساں طور پر مشغول ہیں۔ ہمارے حصے میں یہ مجرموں کا کٹھرا آیا ہے۔ تمہارے حصے میں مجسٹریٹ کی کرسی میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کام کے لئے وہ کرسی بھی اتنی ہی ضروری چیز ہے جس قدر یہ کٹھرا۔ آؤ، اس یادگار اور افسانہ بننے والے کام کو جلد ختم کردیں۔ مورخ ہمارے انتظار میں ہے، اور مستقبل کب سے ہماری راہ تک رہا ہے۔ ہمیں جلد جلد یہاں آنے دو، اور تم بھی جلد جلد فیصلہ لکھتے رہو۔ ابھی کچھ دنوں تک یہ کام جاری رہیگا۔ یہانتک کہ ایک دوسری عدالت کا دروازہ کھل جائے یہ خدا کے قانون کی عدالت ہے۔ وقت اسکا جج ہے وہ فیصلہ لکھیگا اور اسی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا! والحمد للہ اولہ و آخرہ۔

۱۱۔ جنوری ۱۹۲۲ء

پریسیڈنسی جیل۔ علی پور۔ کلکتہ

آزاد

(ابوالکلام آزاد)

خلافت کی کامیابی اور ہندوستان کی آزادی

کے لئے حسب ذیل کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ جلد طلب کیجئے ورنہ گورنمنٹ کے دست بُرد سے اور کتابوں کی طرح ان سے بھی آپ محروم رہ جاویں گے۔

تصانیف مولانا محمد علی صاحب

کتاب	قیمت
تقاریر محمد علی صاحب حصہ اوّل	۸/
" " حصہ دوم	۸/
خطبہ مولانا محمد علی صاحب	۵/
تقریر مدراس	۳/
جذبات جوہر	۰۲/
بیان کراچی	۴/
خطوط جیل علی برادران	۲/

مضامین لالہ لاجپت رائے

کتاب	قیمت
مجموعہ مضامین لالہ لاجپت رائے حصہ اوّل	۸/
" " حصہ دوم (زیر طبع)	۸/
غلامی کی علامتیں اور غلامی کے نتائج	۳/
قومی تعلیم	۳/
پالٹکس	۴/

تصانیف مولانا عبدالماجد صاحب

کتاب	قیمت
درس خلافت	۸/
الاظہار	۸/
المکتوب	۸/

متفرق اصحاب

کتاب	قیمت
تقاریر ظفر علی خاں	۹/
اسیر مالٹا کا پیغام	۹/
دُنیائے اسلام اور خلافت	۴/
سمرنا کی خونی داستان	۳/
مقدمہ کراچی مکمل	۴/
خطبہ مولانا آزاد سبحانی	۶/
جذبات حریّت	۸/
مضامین مہاتما گاندھی حصہ اوّل	۱۰/
" سوراج	۸/

احمد آباد کانگریس مسلم لیگ۔ خلافت کانفرنس۔ اسٹوڈنٹ کانفرنس وغیرہ کے مفصل حالات مرقع اجتماعات احمد آباد میں دیکھئے جس میں مولانا حسرت موہانی کا مشہور خطبہ صدارت بھی درج ہے ۱۰/

مشتاق احمد ناظم قومی دارالاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ